قرآنی سورتوں میں موضوعی وحدت
شیخ سعید حوّیٰ رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ
کے نظریۂ نظم کا تقابلی مطالعہ

سید متین احمد شاہ ۞
جنید احمد الہاشمی ۞

تاریخ تفسیر میں ہمیں قرآنِ کریم کی تفسیر کے مختلف مناہج اور اسالیب ملتے ہیں۔ان اسالیب کے وجود پذیر ہونے کے تاریخی اور علمی اسباب ہیں۔اس تاریخ کے تناظر میں بیسویں صدی 'انفجارِ علم' (Knowledge Explosion) کا ایک ایسا عہد ہے جس نے قرآنی علوم اور تفسیر کے باب میں بھی نمایاں اضافے کیے اور مختلف اسالیبِ تفسیر سامنے آئے،[1] جن میں ایک اسلوب قرآنِ کریم کی تفسیرِ موضوعی کا ہے۔تفسیرِ موضوعی جدید اصطلاح ہے جس کی مختلف تعریفیں محققین نے ذکر کی ہیں۔ڈاکٹر مصطفی مسلم نے اس کی پانچ تعریفیں ذکر ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیرِ موضوعی میں کسی اصطلاح یا موضوع کو قرآن کے مختلف مقامات پر وارد آیات کو جمع کر کے کُلی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے۔اس کے علاوہ اس طرزِ تفسیر میں یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ کسی مخصوص سورت کا

۞ نائب مدیر **فکر و نظر**، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد۔
(mateen.ahmad@iiu.edu.pk)

۞ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ تفسیر و علوم القرآن، کلیہ اصول الدین، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد۔
(doctorhashimi@gmail.com)

۱ - عہدِ جدید میں تفسیر کے میدان میں نمایاں ہونے والے مختلف اسالیب اور رجحانات کے ایک جامع مطالعے کے لیے دیکھیے: فہد بن عبدالرحمان بن سلیمان الرومی، **اتجاهات التفسير في القرن الرابع عشر** (بیروت: مؤسسة الرسالة، ۱۹۹۷ء)؛ تاہم فہد رومی نے اس کتاب میں قرآنِ کریم کی تفسیرِ موضوعی کے رجحان سے تعرض نہیں کیا۔سید قطب شہید کی تفسیر **في ظلال القرآن** کو انھوں نے ادبی منہج کے تحت ذکر کیا ہے اور ضمناً اس تفسیر کے خصائص بیان کرتے ہوئے اس میں قرآن کی موضوعی وحدت کا ذکر بھی کیا ہے اور عدنان زرزور کی اس رائے پر اعتبار کیا ہے کہ سید قطب اس میدان میں سب سے پہلے مفسر ہیں، حالاں کہ یہ دعویٰ درست نہیں ہے۔(نفسِ مصدر، ۱۰۳۹)۔

مجموعی نظم کیا ہے اور وہ کس موضوع کی وضاحت کرتی ہے؟[۲] اس طرزِ تفسیر کا یہ آخری اسلوب زیرِ نظر موضوع سے متعلق ہے۔ اس کی رو سے ایک مفسر ایک سورت کو ایک کلی وحدت کی حیثیت سے دیکھتا ہے، اس کے موضوع اور مقاصد پر غور کرتا ہے اور ان رشتوں کو دریافت کرتا ہے جو ایک سورت کے مختلف اجزا کو ایک وحدت کی شکل دیتے ہیں۔ قدیم مفسرین میں اگرچہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ،[۳] امام بقاعی رحمۃ اللہ علیہ [۴] وغیرہ نے اپنی تفاسیر میں اس کا اہتمام کیا ہے، لیکن ان کے اسلوب اور اس جدید اسلوب میں بنیادی فرق یہ ہے کہ قدما کے ہاں یہ چیز آیات کے آیات سے اور سورتوں کے سورتوں سے ربط و مناسبت تلاش کرنے سے متعلق تھی، جب کہ موجودہ دور میں جس چیز کو قرآن میں موضوعی وحدت کہا جاتا ہے اس میں سورتوں کے مقاصد اور مرکزی مضامین کی تلاش اور پھر سورت کے جملہ اجزا کو ان کے ساتھ مربوط کرنے پر توجہ دی جاتی ہے۔[۵]

---

۲ - مصطفی مسلم، **مباحث في التفسير الموضوعي** (دمشق: دار القلم، ۱۹۸۹ء)، ۱۶۔

۳ - حمد بن عمر بن الحسین بن الحسن بن علي الامام فخر الدین الرازی القرشی البکری، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خاندان سے تعلق رکھنے والے معروف شافعی فقیہ، مفسر اور متکلم ہیں۔ ۵۴۴ھ میں پیدا ہوئے اور امام بغوی کے تلامذہ میں سے ہیں۔ تفسیر میں **مفاتیح الغیب**، اصولِ فقہ میں **المحصول**، ابو العلاء المعری کی **سقط الزند** کی شرح اور کئی دیگر کتابوں کے مصنف ہیں۔ (دیکھیے: عبد الرحمٰن بن ابو بکر جلال الدین السیوطی، **طبقات المفسرین**، تحقیق: علی محمد عمر، (قاہرہ: مکتبة وهبة، ۱۳۹۶ء)، ۱۱۵؛ عادل نویہض، **معجم المفسرين من صدر الإسلام وحتى العصر الحاضر** (مؤسسة النويهض الثقافية، ۱۹۸۳ء)، ۲: ۵۹۶۔)

۴ - ابو الحسن برہان الدین، ابراہیم بن عمر بن حسن الرباط بن علی الخرباوی البقاعی، لبنان کے علاقے بقاع میں پیدا ہوئے اور دمشق میں ۸۸۵ھ میں انتقال ہوا۔ آپ مؤرخ، مفسر، محدث اور ادیب تھے۔ آپ کی تفسیر کا نام **نظم الدرر في تناسب الآي والسور** ہے جو قرآنِ کریم کی سورتوں اور آیات میں ربط و تناسب کے پہلو سے قدما میں ایک منفرد کاوش ہے۔ (دیکھیے: عادل نویہض، مرجع سابق، ۱: ۱۷۔)

۵ - یہاں ضمنی طور پر قدما کی تفاسیر سے ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔ سورۂ کوثر کے سابق سورت سے ربط کے بارے میں علامہ برہان الدین بقاعی فرماتے ہیں: لما كانت سورة الدين بإفصاحها ناهية عن مساوىء الأخلاق، كانت بإفهامها داعية إلى معالي الشيم، فجاءت الكوثر لذلك، وكانت الدين قد ختمت بأبخل البخلاء وأدنى الخلائق: المنع تنفيرًا من البخل ومما جره من التكذيب، فابتدئت الكوثر بأجود الجود. العطاء لأشرف الخلائق ترغيبًا فيه وندبًا إليه، فكان كأنه قيل: أنت يا خير الخلق غير متلبس بشيء

بیسویں صدی میں برصغیر اور عرب دنیا میں اس طرز پر مختلف تفاسیر تحریر کی گئیں۔ برصغیر میں مولانا حمید الدین فراہیؒ کو اس باب میں شاید سبقت کا درجہ حاصل ہے کہ انھوں نے قرآنِ کریم کے نظم کو دریافت کرنے کے نہ صرف اصول دریافت کیے، بلکہ اسے قرآن فہمی کی شاہ کلید بھی قرار دیا اور اس کی عملی تطبیق کے لیے تفسیر **نظام القرآن وتأويل الفرقان بالفرقان** تحریر کی جو مکمل نہ ہو سکی، البتہ ان کے شاگرد مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے ان اصولوں کو سامنے رکھ کر تفسیر **تدبرِ قرآن** لکھی۔ عرب دنیا میں سید قطب اس حوالے سے نمایاں شخصیت ہیں جن کی تفسیر **في ظلال القرآن**، ایک عمدہ اضافہ ہے۔ بعض مصنفین نے اس طریقِ مطالعہ کو قرآن کی مخصوص سورتوں پر منطبق کرنے کی کوشش کی ہے، جیسے عبداللہ دراز نے **النبأ العظیم** میں سورۂ بقرہ کی موضوعی تحلیل کی ہے۔ عرب دنیا میں اس سلسلے کی دوسری قابلِ ذکر مفصل تفسیر شیخ سعید حوّیٰ کی **الأساس في**

مما نہت عنہ تلك المختتمة بمنع الماعون.(سورۂ ماعون واضح طور پر رذائلِ اخلاق سے منع کرتی ہے، تو اس سے وہ اشارتاً بلند اخلاق کے حصول کی دعوت بھی دیتی ہے؛ چناں چہ سورۂ کوثر اسی مقصد کے لیے آئی ہے۔ اسی طرح سورۂ ماعون بخل اور اس کے نتیجے میں تکذیب سے منع کرتی ہے اور بخیل ترین اور گھٹیا ترین انسان کے ذکر پر ختم ہوتی ہے، اس لیے سورۂ کوثر کا آغاز اشرف البشر ﷺ کے لیے سب سے بڑی سخاوت اور عطا کے ذکر سے شروع ہوتی ہے تاکہ اس کی طرف ترغیب دی جائے، گویا یوں کہا گیا: اے خیر خلائق ذات! آپ عام استعمال کی چیزوں سے بھی منع کرنے والوں کی ان خامیوں سے مبرا ہیں جن سے نہی کی گئی ہے۔) ابراہیم بن عمر بن ابو بکر البقاعی، **نظم الدرر في تناسب الآيات والسور** (قاہرہ: دار الکتاب الإسلامي، ۲۲: ۲۸۷۔)؛ اس کے برعکس یہاں جدید دور کے مفسرین میں سے مولانا امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سورت کے ماقبل سے ربط کو ایک وسیع تناظر میں دیکھا ہے اور وہ اصل میں اس مضمون کا تسلسل ہے جو گذشتہ سورتوں سے چلا آ رہا ہے۔ سورۂ قارعہ اور ہمزہ میں قریش کو یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ تم نے دنیا پرستی میں حقیقی ملتِ ابراہیم کے حق کو پامال کیا ہے۔ سورۂ فیل اور سورۂ قریش میں انھیں ملتِ ابراہیمی کی حقیقی پاس داری کے نتیجے میں بیت اللہ کے حقوق کی ادائی کی ترغیب دی گئی ہے۔ سورۂ کوثر میں آکر قریش کی بیت اللہ کی تولیت سے معزولی کا اعلان ہے کہ ان سے یہ حق چھین کر کوثر (بیت اللہ) رسول اکرم ﷺ کو بخشا جا رہا ہے، لہٰذا اس رب کی عبادت کرو۔ (دیکھیے: امین احسن اصلاحی، **تدبرِ قرآن** (لاہور: فاران فاؤنڈیشن، ۲۰۰۵ء)، ۹: ۵۵۵۔) اس سے واضح ہوتا ہے کہ سورتوں کے خطی اور اکہرے ربط (Linear Connection) اور کثیر الابعادی ربط (Multidimensional Connection) میں بنیادی اور جوہری فرق ہے جو تفسیری فرق پر بھی گہرا اثر ڈالتا ہے۔ اسی فرق کا نتیجہ ہے کہ مولانا اصلاحی، دیگر مفسرین کے برعکس، الکوثر کا مصداق بیت اللہ کو قرار دے رہے ہیں۔

التفسیر ہے جو قرآنِ کریم میں موضوعی وحدت کا ایک جامع تصور پیش کرتی ہے۔اس کے علاوہ بعض اور تفاسیر بھی منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔[۶]

زیرِ نظر مقالے میں شیخ سعید حویٰ رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ کے تصور نظم کا تقابل پیش کیا جائے گا، جس سے دونوں کے تصورِ نظم کی مختصر وضاحت کے ساتھ ان کے امتیازی خصائص کو نمایاں کرکے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ انھوں نے قرآنی نظم کو کس کس زاویے سے دیکھا ہے اور کون کس حد تک زیادہ جامع، عمیق اور بدیہی نظم پیش کرنے میں کامیاب ہوا ہے۔

منہجِ مقالہ

اس مقالے میں بیانی تقابلی منہج (Descriptive Comparative Method) اختیار کیا گیا ہے، جس کے مطابق پہلے دونوں شخصیات کے تصورِ نظم کی وضاحت پیش کی گئی ہے اور پھر ان کا تقابل کیا گیا ہے۔ مقالے کے اجزاے ترکیبی حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ شیخ سعید حَوّیٰؒ اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے حالاتِ زندگی

۲۔ دونوں شخصیات کے نظریۂ نظم کا تعارف اور وضاحت

۳۔ دونوں نظریہ ہاے نظم کا تقابلی جائزہ

۴۔ نتائجِ بحث

۱۔ شیخ سعید حَوّیٰؒ اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے حالاتِ زندگی

شیخ سعید حَوّیٰ: شخصیت اور خدمات

آپ کا نام سعید بن محمد دیب حوی ہے۔ آپ ۲۷ ستمبر ۱۹۳۵ء / ۲۶ جمادی الاولی ۱۳۵۴ھ کو جنوب حماۃ شام میں پیدا ہوئے۔ دو برس کی عمر میں والدہ عربیۃ الطیش وفات پاگئیں۔ آپ کے والد محمد دیب حویٰ فرانسیسی استعمار کے خلاف لڑنے والے مجاہدین میں سے تھے اور آپ کی تربیت پر ان کو گہرا اثر ہے۔ بچپن کے حالات نہایت غربت کے تھے کہ پہننے کو کپڑے بھی نہ ملتے تھے۔ ۱۹۶۱ء میں آپ نے جامعہ دمشق سے کلیہ شریعہ سے فراغت

۶۔ اس نوعیت کی ایک قابلِ قدر تفسیر التفسیر الموضوعي لسور القرآن الكريم کے نام سے جامعہ شارقہ متحدہ عرب امارات سے ۲۰۱۰ء میں شائع ہوئی جس کی تالیف میں اہلِ علم کی ایک جماعت نے حصہ لیا۔

حاصل کی اور تعلیم کے دوران ہی میں ۱۹۵۲ء میں آپ اخوان المسلمون میں شامل ہوئے۔ آپ کے نام ور اساتذہ میں شیخ بہجت البیطار، شیخ مصطفی الزرقا اور شیخ مصطفی السباعی جیسے اساطین شامل ہیں۔ ۱۹۷۳ء میں شام میں سیکولر قوانین کے نفاذ کی حکومتی کوششیں عمل میں آئیں تو اس کے خلاف دینی اور علما کے طبقے کا ردعمل سامنے آیا جس میں شیخ سعید حوی نے فعال کردار ادا کیا جس کے نتیجے میں آپ نے پانچ سال قید کاٹی۔ ۹ دسمبر ۱۹۸۹ء میں آپ راہی ملکِ بقا ہوئے۔ آپ نے اپنی بھرپور علمی، دعوتی اور سیاسی زندگی کے دوران میں پندرہ سے زائد تصانیف بھی کیں جن میں آپ کی تفسیر **الأساس في التفسیر** (۱۱ جلد) سرفہرست ہے۔[۷]

یہ تفسیر منقول اور معقول کا عمدہ نمونہ ہے اور اخوان المسلمون تحریک کے تعلق سے اس میں اسلام کے تحریکی پہلو کا رنگ نمایاں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سید قطب کی **في ظلال القرآن** سے کثرت سے اقتباسات دیتے ہیں۔ دیگر خصائص کے علاوہ اس کی سب سے نمایاں خصوصیت قرآن کریم میں موضوعی وحدت[۸] کا ایک منفرد نظریہ پیش کرنا ہے۔ اس کی رو سے سورۂ فاتحہ قرآنِ کریم کے لیے بمنزلہ مقدمے کے ہے اور سورۂ بقرہ اس اجمال کی تفصیل بیان کرتی ہے۔ اس کے بعد قرآن کی ہر سورت سورۂ بقرہ کے کسی نہ کسی حصے کی تشریح کرتی ہے اور اس

۷- شیخ کی سوانحی تفصیلات کے لیے ان کی کتاب **هذه تجربتي هذه شهادتي** ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ شیخ کی یہ کتاب اصل میں ان کی یادداشتوں کا مجموعہ ہے جو، ان کے بقول، انھوں نے پچاس سال کی عمر کے قریب لکھنا شروع کیں۔ اس میں انھوں نے اپنی زندگی کے حالات ، تحریکی زندگی اور دیگر امور پر گفت گو کی ہے۔ دیکھیے: سعید حویٰ، **هذه تجربتي هذه شهادتي** (قاہرہ: مكتبة وهبة، ۱۹۸۷ء)۔

۸- قرآنِ کریم میں موضوعی وحدت سے مراد یہ ہے کہ قرآنِ کریم کو ایک مربوط اور متناسب کتاب کے طور پر پیش کیا جائے۔ قدیم مفسرین کے ہاں جو چیز ہمیں ربط و مناسبت کی شکل میں نظر آتی ہے، اسے جدید عرب مصنفین موضوعی وحدت کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے ہاں اسی کے لیے 'نظمِ قرآنی' کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے، البتہ قدما اور جدید مصنفین کے طریق کار میں یہ فرق ہے کہ وہاں ہمیں سورتوں اور آیات کے درمیان ربط و مناسبت سے بحث ملتی ہے جب کہ جدید مصنفین کے ہاں سورتوں کو ایک کل کے طور پر دیکھا جاتا ہے جس کی رو سے ہر سورت اپنا ایک موضوع رکھتی ہے اور سورت کے دیگر اجزا اس کے ساتھ مربوط ہوتے ہیں۔ اس بات کو اپنے اپنے انداز میں عرب و عجم کے کئی مفسرین نے دیکھنے کی کوشش کی ہے اور مختلف نتائجِ تحقیق پیش کیے ہیں۔

سورت کی ایک یا ایک سے زائد آیات ان سورتوں کا مرکزی محور ہوتی ہیں۔(۹) اس کے ساتھ ساتھ شیخ سورتوں اور آیات کے درمیان ربط و مناسبت کی مختلف صورتوں کو ذکر کرتے ہیں۔

شیخ سعید حوّیٰ کا نظریۂ موضوعی وحدت

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، قرآنی سورتوں کے موضوعی اور مقاصدی پہلوؤں پر بیسویں صدی میں خاص طور پر محققینِ قرآن کا کافی کام عرب وعجم میں سامنے آیا ہے۔ عرب دنیا میں **في ظلال القرآن، الأساس في التفسير، التفسير الموضوعي لسور القرآن الكريم** وغیرہ جب کہ عجمی دنیا، خصوصاً برصغیر میں، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا حسین علی، مولانا طاہر پنج پیری وغیرہم کے طرز تفسیر میں اس کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ قدیم مفسرین اگرچہ سورتوں میں ربط و مناسبت کی مختلف صورتوں کا اہتمام کرتے ہیں، لیکن سورتوں کو ایک مجموعی کل کی حیثیت سے دیکھنا عہدِ جدید کا تفسیری رجحان ہے اور شیخ سعید حویٰ کی تفسیر کا یہ سب سے امتیازی پہلو ہے۔ اپنی تفسیر کی اسی خصوصیت کے بارے میں وہ کہتے ہیں:

إن الخاصية الأولى لهذاالتفسير وقد تكون ميزته الرئيسية أنه قدّم لأول مرةٍ – فيما أعلم نظريةً جديدةً في موضوع الوحدة الموضوعية، وهو موضوع حاوله كثيرون، وألفوا فيه الكتب، ووصلوا فيه إلى أشيآء كثيرة، ولكن أكثر ما اشتغلوا فيه، كان يدور إما حول مناسبة الآية في السورة، أو مناسبة آخر السورة السابقة لبداية السورة اللاحقة، ولم يزيدوا على ذلك - فيما أعلم - هذا مع ملاحظة أن الموضوع الأول نادراً من استوعبه، والتزم به في تفسير كامل للقرآن، وإذا التزم به فلم يكن ذلك على ضوء نظرية شاملة تحتوي مفاتيح الوحدة القرآنية.(۱۰)

۹- شیخ سعید حوی کے اس نظریے کے تفصیلی مطالعے کے لیے شیخ احمد بن محمد الشرقاوی کا مفصل مقالہ **نظرية الوحدة الموضوعية للقرآن الكريم من "خلال كتاب الأساس في التفسير" للشيخ سعيد حوى رحمه الله** دیکھا جاسکتا ہے:
http://islamic-books.org/cached-version.aspx?id=693-1-1. visited: 11/ 08/ 2015.

۱۰- سعید حویٰ، **الأساس في التفسير** (دارالسلام للطباعة والنشر والتوزيع، ۱۹۸۵ء)، ۱: ۲۱۔ شیخ سعید حویٰ کے اس بیان میں ایک عمومیت سی ہے جس سے بہ ظاہر غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں اس طرز پر موضوعی وحدت کی تلاش کا کام مسلم دنیا میں شاید برصغیر میں مولانا حمید الدین فراہیؒ کے ہاں ملتا ہے جنھوں نے اس طرز کے لیے نہ صرف مستقل اصول وضع کیے، بلکہ اس طرز پر قرآن کی تفسیر بھی کے نام سے قلم بند کی، جو اگرچہ مکمل تو نہ ہو سکی،

اس تفسیر کی پہلی خصوصیت - اور یہی اس کی سب سے امتیازی صفت بھی ہے - یہ ہے کہ یہ، میرے علم کے مطابق، موضوعی وحدت کے بارے میں نیا نظریہ پیش کرتی ہے۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جس میں بہت سوں نے طبع آزمائی کی ہے، کتابیں لکھی ہیں اور بہت سے نتائج تک پہنچے ہیں، لیکن ان کا زیادہ تر شغل ایک سورت کی آیات میں باہمی ربط یا سابق سورت کے آخر کو اگلی سورت کے آغاز کے ساتھ مربوط کرنے کے گرد گھومتا رہا ہے۔ میرے علم کی حد تک ان حضرات نے اس پر مزید اضافہ نہیں کیا۔ اس کے ساتھ یہ بھی پیش نظر رہے کہ پہلی صورت کا احاطہ کسی نے کم ہی کرتے ہوئے اسے پورے قرآن کی تفسیر میں ملحوظ رکھا ہے۔ اگر ایسا کیا بھی ہے وہ کسی جامع نظریے کے تحت نہیں جو قرآنی وحدت کی کنجیوں کو شامل ہو۔

اس سے آگے بڑھ کر وہ سورتوں میں کلی وحدت کے انکار کو جہل سے تعبیر کرتے ہیں۔[۱۱] سورتوں میں موضوعی وحدت کے اثبات کے لیے شیخ انھیں مقدمات اور مختلف حصوں میں تقسیم کرتے ہیں اور ان کے لیے چار نام استعمال کرتے ہیں: قسم، مقطع، فقرہ اور مجموعہ۔ 'قسم' کی اصطلاح طویل سورتوں میں آتی ہے۔ اس سے مراد آیات کا وہ طویل پیرگراف ہوتا ہے جو مزید ذیلی پیراگرافوں سے مل کر بنتا ہے لیکن ان میں معنوی اشتراک ہوتا ہے۔ ان ذیلی پیراگرافوں میں سے ہر ایک کو 'مقطع' کا نام دیتے ہیں۔ اس مقطع میں پائے جانے والے بنیادی مفاہیم کے حامل آیات کے مجموعے کو 'فقرہ' کا نام دیا جاتا ہے۔ اگر اس 'فقرہ' میں مزید کوئی اضافی معنیٰ ہو جس کی الگ سے شرح و تفسیر کی ضرورت ہو تو اسے 'مجموعہ' کا نام دیا جاتا ہے۔ بعض سورتوں میں یہ تمام اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں جب کہ بعض میں نہیں اور اس کی وجہ اس سورت کا طول اور مضامین کا تنوع ہوتا ہے۔

سورۂ عنکبوت اور اس کے محور کے بارے میں لکھتے ہیں:

تبدأ السورة بـ ﴿الٓمٓ﴾ فهي كآل عمران تفصل في مقدمة سورة البقرة، وتفصل ما استكنّ في هذه المقدمة من معانٍ. ففي مقدمة سورة البقرة حديث عن المتقين وعن الكافرين وعن المنافقين. وفي سورة العنكبوت حديث عن المؤمنين والكافرين والمنافقين. وفي مقدمة سورة البقرة كلام عن

لیکن وہ اس طرز کی بہت واضح بنیادیں ایک قاری کے سامنے رکھ دیتی ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے پھر اسی کو بنیاد بنا کر اپنی معروف تفسیر **تدبر قرآن** لکھی۔ عرب دنیا میں بھی اس باب میں سید قطب کو سبقت کا درجہ حاصل ہے۔ ڈاکٹر عدنان زرزور نے پورے جزم کے ساتھ لکھا ہے کہ تاریخ تفسیر میں سید قطب پہلے مفسر ہیں جنھوں نے قرآن کو بحیثیت کل کے دیکھتے ہوئے تفسیر لکھی ہے۔ (دیکھیے: صلاح عبدالفتاح الخالدی، **مدخل إلى في ظلال القرآن** (اردن: دار عمار، ۲۰۰۰ء)، ۲۴۵– ۲۴۶۔ تاہم یہ دعویٰ بھی محل نظر ہے، کیوں کہ مولانا فراہیؒ نے سید قطب سے بھی پہلے اس کی بنیادیں وضع کی ہیں۔

۱۱- دیکھیے: سعید حوی، **الرسول ﷺ**، إصدار الشاملة (دون ذكر مكتبة النشر والعام)۔

الإيمان بالغيب، وتبدأ سورة العنكبوت بالكلام عن الامتحان لتحقيق الإيمان وتتحدث السورة مرة ومرة ومرة عن الإيمان...[۱۲]

یہ سورت الٓمٓ سے شروع ہوتی ہے اور سورۂ آلِ عمران کی طرف سورۂ بقرہ کے مقدمے کی تفصیل ہے اور اس میں موجود پوشیدہ معانی کی شرح کرتی ہے۔ چناں چہ سورۂ بقرہ کے مقدمے میں متقیوں، کافروں اور منافقین کے بارے میں گفت گو ہے اور اسی طرح سورۂ عنکبوت میں بھی مومنوں، کافروں اور منافقوں سے متعلق کلام ہے۔ سورۂ بقرہ کے مقدمے میں ایمان بالغیب کی بات ہے اور سورۂ عنکبوت کا آغاز آزمائش کے بیان سے ہوتا ہے تاکہ ایمان کا اثبات کیا جائے اور پھر سورت وقفے وقفے سے ایمان پر گفت گو کرتی ہے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ شیخ کس طرح قرآنی سورتوں کا محور سورۂ بقرہ سے تلاش کرتے ہیں۔ تفصیلی تفسیر میں اس سورت کا بقرہ کے مفاہیم کا واضح کرنا نمایاں ہوتا چلا جاتا ہے۔

شیخ سعید حوی کے نظریۂ نظمِ قرآن کی دوسری سطح پورے قرآن میں ایک کلی وحدت کی تلاش ہے جس کے لیے وہ قرآنِ کریم کی تمام سورتوں کو چار گروپوں میں تقسیم کرتے ہیں: قسمِ طوال (البقرہ سے التوبہ) ، قسمِ مئین (یونس سے القصص)، قسمِ مثانی (سورۂ عنکبوت سے سورۂ ق) اور قسمِ مفصل (الذاریات سے الناس)۔ جس طرح قرآن کی سورتوں میں انفرادی سطح پر موضوعی وحدت پائی جاتی ہے، اسی طرح سورتوں کے ان گروپوں میں بھی یہ موضوعی وحدت پائی جاتی ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی: شخصیت وخدمات

مولانا امین احسن اصلاحی اعظم گڑھ کے ایک قصبے بمہور میں ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئے تاہم تاریخِ ولادت ضبط نہیں ہے۔ ابتدائی تعلیم وہیں دو مدرسوں میں حاصل کی۔ آپ کے والد حافظ محمد مرتضیٰ ایک دین دار کاشت کار تھے۔ ۱۹۱۵ء میں مولانا اصلاحی تیسرے درجے کے طالب علم کے طور پر مدرسۃ الاصلاح میں داخل ہوئے۔ جن اساتذہ کا آپ کی شخصیت کی تعمیر میں بنیادی دخل ہے، ان میں مولانا عبدالرحمان نگرامیؒ کا نام نمایاں ہے۔ ۱۹۲۲ء میں فراغت پر آپ صحافت سے وابستہ ہوئے۔ ۱۹۲۵ء میں مولانا حمید الدین فراہیؒ نے آپ سے کہا کہ صحافت ترک کر کے مدرسۃ الاصلاح قرآن پڑھنے آجائیں۔ مولانا اصلاحیؒ نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور مولانا فراہی کی وفات (۱۹۳۰ء) تک ان سے بھرپور استفادہ کیا۔ رسمی تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے صحافت کی راہ اختیار کی۔ ایک مجلہ **الاصلاح** کے نام سے ۱۹۳۶ء میں جاری کیا جس میں مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی قرآنی فکر کی وضاحت پر مبنی مختلف

۱۲- سعید حوی، **الأساس في التفسير**، ۸: ۴۱۶۳۔

فکری مقالات تحریر کیے۔ مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۷۹ء) میں جب جماعت اسلامی قائم کی تو اس میں شامل ہو گئے اور سترہ سالہ رفاقت کے بعد بعض اختلافات کے باعث ۱۹۵۷ء میں الگ ہو گئے۔ اس کے بعد وہ یک سو ہو کر تفسیر **تدبر قرآن** کی تصنیف میں لگ گئے اور تقریباً تیس سال کی محنت کے بعد اسے مکمل کیا۔ اس عرصے میں دیگر تصانیف بھی کیں۔ ۱۵/ دسمبر ۱۹۹۷ء کو طویل علالت کے بعد انتقال کیا۔(۱۳)

مولانا امین احسن اصلاحی اور قرآنی سورت میں موضوعی وحدت

مولانا امین احسن اصلاحیؒ کا تصورِ نظم اصلاً ان کے استاد مولانا حمید الدین فراہیؒ(۱۴) کے کام کا تسلسل ہے۔ مولانا حمید الدین فراہیؒ کے پیشِ نظر اپنے نظریۂ نظم کی روشنی میں ایک مستقل تفسیر **تفسیر نظام القرآن**

۱۳- مولانا اصلاحی کے تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے: اختر حسین عزمی، **مولانا امین احسن اصلاحی: حیات وافکار** (لاہور: کتاب سرائے، ۲۰۰۸ء)، ۵۵، بہ حوالہ: "مولانا اصلاحی کی کہانی خود ان کی اپنی زبانی"، ماہنامہ **اشراق**، لاہور، اصلاحی نمبر، جنوری فروری ۱۹۹۸ء، ۱۰۹۔

۱۴- مولانا فراہی کی جائے پیدائش بھارت کے صوبہ یوپی (موجودہ اترپردیش) ضلع اعظم گڑھ کا ایک گاؤں پھریہا ہے پھریہا اس ضلع کا ایک مشہور گاؤں ہے۔ پھریہا کی معلوم تاریخ بس اسی قدر ہے کہ یہ شبلی نعمانی کا ننھیال اور فراہی کا وطن ہے مولانا فراہی کی پیدائش ان کے جدی مکان میں ۶ جمادی الثانی ۱۲۳۰ھ بروز بدھ بمطابق ۱۸ نومبر ۱۸۶۳ء کو ہوئی۔ مولانا فراہی نے دینی تعلیم ۱۸۸۲ء-۱۸۸۳ء تک مکمل کرلی تھی۔ مولانا حمید الدین فراہی بہت لکھنے اور رطب ویابس اکٹھا کرنے کے قائل نہ تھے جہاں تک ان کی تصانیف کا تعلق ہے تو انھیں دیکھنے سے اندازا ہوتا ہے کہ مولانا ایک مصنف ہی نہیں، بلکہ ایک بہت بڑے مفکر اور مصلح بھی تھے اور ان کی تصانیف سے انکی اعلیٰ فکری صلاحیتوں، مصلحانہ کردار اور بلند علمی مرتبے کا پتا چلتا ہے۔ مولانا کے منہج تالیف میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان کا طریقہ تصنیف و تالیف یہ نہیں تھا کہ ایک موضوع کے بارے میں فکر اور معلومات اکھٹی کرکے اسے ایک کتاب کی صورت میں مرتب کردیں، بلکہ بیک وقت کئی ایک موضوعات ان کے پیش نظر موجود رہتے تھے، جب کسی موضوع پر تحقیق مکمل ہوجاتی، ذہن مطمئن ہوجاتا تو اسے لکھ لیتے اور بعد میں وقت ملنے پر ایک موضوع پر مختلف موقعوں پر لکھی ہوئی تحقیقات کو مرتب کرتے تھے، اس طرح گویا وہ ایک ہی وقت میں کئی کتب پر کام کررہے ہوتے تھے۔ معروف تصانیف میں **التكميل في أصول التأويل**، **الرأي الصحيح في من هو الذبيح**، **أساليب القرآن**، **أسباق النحو**، **أقسام القرآن**، **إمعان في أقسام القرآن**، **تفسير نظام القرآن وتأويل الفرقان بالفرقان** وغیرہ ہیں۔ ۱۹۳۰ء میں متھرا میں انتقال ہوا۔ دیکھیے: **علامہ حمید الدین فراہی: حیات وافکار (مجموعہ مقالات سیمینار)** (اعظم گڑھ: انجمن طلبۂ قدیم، ۱۹۹۲ء)۔

وتأويل الفرقان بالفرقان لکھنے کا ارادہ تھا، لیکن دیگر بہت سے کاموں کی طرح وہ اپنی تفسیر مکمل رقم نہ کر سکے، تاہم نظمِ قرآن کے پہلو سے ان کی تفسیر ایک عمدہ کوشش ہے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ ان کے اس نظم کے پہلو سے روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ربطِ آیات کو اس جامع اور عمیق طریقے پر اور ربطِ آیات کو بنیاد بنا کر صرف یہی نہیں کہ آیات باہم مربوط ہیں اور بیچ میں ان کے درمیان کوئی خلیج واقع نہیں ہے یا یہ کہ کسی قسم کا کوئی بعدِ معنوی نہیں، بلکہ وہ ربطِ آیات قرآن مجید کے نزول کے مقصد اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہدایت بشری کے عام کلیے، جو اس کا طے کیا ہوا قانون ہے، اس کے ماتحت ہے۔ ربطِ آیات کا اتنا وسیع تخیل اور پھر اس کی تطبیق ایسی جس کی نظیر پچھلے کاموں میں بہت کم ملتی ہے، میں احتیاط کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ نہیں ملتی۔ (۱۵)

مولانا اصلاحی نے تفسیر **تدبرِ قرآن** میں مولانا فراہی کے کام ہی کو آگے بڑھایا ہے۔ مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ نے نظم کی دریافت کے لیے اصول بھی دریافت کیے اور انھیں **التكميل في أصول التأويل** اور **دلائل النظام** میں بیان کیا۔ مولانا اصلاحی نے اپنے استاد کے کام کو آگے بڑھایا اور مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے تفسیری اصولوں کی روشنی میں اردو زبان میں معروف تفسیر **تدبرِ قرآن** تحریر کی جس میں نظریۂ نظم کو عملاً برت کر دکھایا گیا ہے۔

نظریۂ نظم کی وضاحت

ظاہری نظم

مولانا اصلاحی نے قرآنی نظم کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے:

ظاہری نظم اور مخفی نظم؛ ظاہری نظم کی رو سے تمام قرآنی سورتیں سات گروپوں میں تقسیم ہیں۔ ہر گروپ ایک یا ایک سے زائد مکی سورتوں سے شروع ہوتا ہے اور ایک یا ایک سے زائد مدنی سورتوں پر ختم ہوتا ہے۔ ہر گروپ میں پہلے مکی سورتیں ہیں، پھر مدنی سورتیں ہیں۔

- پہلا گروپ فاتحہ سے شروع ہوتا ہے اور مائدہ پر ختم ہوتا ہے۔ اس گروپ میں فاتحہ مکی ہے، باقی چار مدنی ہیں۔
- دوسرا گروپ انعام اور اعراف دو مکی سورتوں سے شروع ہوتا ہے اور انفال اور توبہ دو مدنی سورتوں پر ختم ہوتا ہے۔

۱۵- خطبۂ استقبالیہ مولانا ابوالحسن علی ندوی مشمولہ، علامہ حمید الدین فراہی: **حیات وافکار**، ۲۷۔

- تیسرے گروپ میں پہلے چودہ سورتیں یونس تا مومنون مکی ہیں، آخر میں سورۂ نور ہے جو مدنی ہے۔
- چوتھا گروپ فرقان سے شروع ہوتا ہے، احزاب پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں آٹھ سورتیں مکی ہیں، آخر میں احزاب مدنی ہے۔
- پانچواں گروپ سبا سے شروع ہوتا ہے، حجرات پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں تیرہ سورتیں مکی ہیں اور آخری تین مدنی ہیں۔
- چھٹا گروپ ق سے شروع ہو کر تحریم پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں پہلے سات مکی ہیں اور آخری دس مدنی۔
- ساتواں گروپ الملک سے شروع ہو کر الناس پر ختم ہوتا ہے۔

مولانا اصلاحی کہتے ہیں کہ پہلے گروپ میں اہلِ کتاب پر اتمامِ حجت اور نئی امت کی تشکیل کے بعد اسے آخری شریعت کی ذمے داری سونپے جانے کا بیان ہے؛ دوسرے گروپ میں عرب امیین پر اتمامِ حجت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکذبین و متبعین کے لیے اللہ تعالیٰ کے آخری فیصلے کا بیان ہے؛ تیسرے گروپ میں تفصیل سے واضح کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ حق و باطل کی جو کشمکش شروع ہوئی ہے اس کا اختتام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی حق کے غلبے اور باطل کی شکست کی صورت میں نمودار ہوگا؛ چوتھے گروپ میں رسالت کے عقیدے کا اثبات اور اس پر وارد کیے جانے والے اعتراضات کا جواب ہے؛ پانچویں گروپ میں توحید کے دلائل اور شرک کی تردید کی گئی ہے؛ چھٹے گروپ میں آخرت کے عقیدے کی تفصیلی وضاحت ہے اور آخری گروپ کا موضوع انذار ہے۔[۱۶]

ان میں سے پہلے گروپ کو الگ کر لیجیے تو قرآن میں ان کی ترتیب خاتمہ سے ابتدا کی طرف ہے۔ چناں چہ ساتواں گروپ انذار و بشارت ہی پر مکمل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد چھٹے، پانچویں، چوتھے اور تیسرے گروپ میں انذار و بشارت کے ساتھ تزکیہ اور تطہیر کا مضمون بھی شامل ہو گیا ہے۔ پھر دوسرا اور اس سلسلے کا آخری گروپ ہے جس میں پیغمبر کا انذار اپنے منتہا کو پہنچتا ہے۔ لہٰذا اتمام حجت اور تزکیہ و تطہیر کے ساتھ اس میں مخاطبین کے آسمانی عدالت کا وہ فیصلہ بھی سامنے آجاتا ہے جسے ہم قیامت سے پہلے خدا کی آخری دینونت سے تعبیر کرتے ہیں۔

پہلا باب اس لحاظ سے بالکل الگ ہے کہ وہ مشرکین عرب کے بجائے یہود و نصاریٰ سے خاص ہے، لیکن قرآن کی ابتدا سے دیکھیے تو یہ بھی اتمام حجت اور تزکیہ و تطہیر کے بعد سورۂ توبہ میں دینونت کے مضمون سے بالکل

۱۶- اصلاحی، **تدبر قرآن**، ۱: ۲۶-۲۷۔

اسی طرح مربوط ہوتا ہے، جس طرح اوپر کے ابواب، اگر خاتمے سے ابتدا کی طرف آیئے تو ترتیبِ صعودی سے مربوط ہوئے ہیں۔ لہٰذا دوسرا باب گویا ایک ذروۂ سنام ہے جہاں دونوں طرف سے ایک ہی مضمون، محض اس فرق کے ساتھ کہ مخاطبین تبدیل ہو گئے ہیں، اپنے نقطۂ کمال تک پہنچتا اور ختم ہو جاتا ہے۔[۱۷]

جس طرح یہ گروپ اپنے اندر موضوعی وحدت رکھتے ہیں، اسی طرح ان گروپوں میں زبان وبلاغت کی نزاکتوں کے اعتبار سے بھی فرق ہے۔ ان گروپوں میں قرآن کی زبان کی جو فنی ساخت ہے، وہ ان مضامین کے لحاظ سے مقتضائے حال کے مطابق ہے۔ جس طرح سید قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ نے قرآنِ کریم میں مشاہدِ قیامت کا موضوعی اور فنی مطالعہ پیش کیا ہے، ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ مولانا اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ نے جو سورتوں کے گروپ متعین کیے ہیں، ان میں موضوعی کے ساتھ فنی اور بلاغی پہلوؤں سے پائے جانے والے فروق کو نمایاں کیا جائے۔

گروپوں کی تعداد، بعض سورتوں کے مکی مدنی ہونے اور عمود کے تعین میں مولانا فراہی، مولانا اصلاحی اور جناب جاوید احمد غامدی کا بعض امور میں آپس میں اختلاف ہے۔

مخفی نظم

مخفی نظم کی رو سے قرآن کی ہر سورت ایک موضوعی وحدت رکھتی ہے اور یہ سورتیں آپس میں جوڑوں کا تعلق رکھتی ہیں۔

قرآنی سورت میں نظم

قرآنِ کریم کی سورت میں نظم کے خصائص حسبِ ذیل ہیں:

۱- ہر سورہ کا ایک موضوع ہوتا ہے جو ان تمام اجزا کے لیے ایک رشتۂ وحدت کی حیثیت رکھتا ہے جن سے سورہ کے مضمون کی تالیف ہوتی ہے۔ اسے ہم روح کی طرح سورہ کے پورے وجود میں سرایت کیے ہوئے دیکھتے ہیں۔

۲- اصل مضمون کے ساتھ سورہ میں بالعموم ایک تمہید بھی ہوتی ہے اور خاتمہ بھی۔ سورہ کے مضمون کو ہم بعض سورتوں میں فصول اور پیروں میں اور بعض میں صرف پیروں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ پیرے مضمون کے وقفوں اور فصول اس کے تغیرات کو نمایاں کرتی ہیں۔ تمہید اور خاتمہ کی آیات بھی اسی طرح اپنے مضمون کے لحاظ سے بعض مقامات پر پیروں میں تقسیم ہو جاتی ہیں۔

۱۷- جاوید احمد غامدی، **البیان**، (لاہور: المورد، ط۷، ۲۰۱۳ء)، ۱۱ومابعد۔

۳- یہ پیرے اور فصول ربطِ آیات کے طریقے پر نہیں، بلکہ تمثیل، تعلیل، تاصیل، تکمیل، سوال، جواب، تفریع، نتیجہ، اعتراض، تنبیہ، تقابل، تشابہ، عود علی البدء، استدراک اور اس طرح کے بعض دوسرے پہلوؤں سے باہم دگر متعلق ہوتے اور سورہ کو ایک مربوط کلام بناتے ہیں۔

۴- سورہ کا مضمون ان پیروں اور فصول میں اپنے تدریجی ارتقا کے ساتھ اپنے اتمام کو پہنچتا ہے، چناں چہ اس کے نتیجے میں وہ ایک منفرد اور متعین صورت حاصل کرتی ہے اور اپنے وجود میں ایسی وحدت بن جاتی ہے جو ہر لحاظ سے مستقل بالذات اور کامل ہوتی ہے۔[۱۸]

سورتوں کے جوڑوں میں نظم

قرآن کے مخفی نظم کی ایک خصوصیت، مولانا اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک، یہ ہے کہ اس کی سورتیں انفرادی طور پر نظم پیش کرنے کے ساتھ ساتھ جوڑوں کی شکل میں نظم کا ایک نیا پہلو پیش کرتی ہیں۔اس کے مطابق ہر سورت کا ایک زوج یا جوڑا ہے۔اور ان میں اسی طرح کی مناسبت ہوتی ہے جو زوجین میں ہوتی ہے اور دونوں سورتیں مل کر کسی ایک مضمون کو مکمل کرتی ہیں۔ڈاکٹر مستنصر میر نے مذکورہ بالا کتاب میں ان پہلوؤں کو بہت خوب صورت انداز میں واضح کیا ہے کہ ان سورتوں میں جو 'تکمیلیت' (Complementarity) کا تعلق ہوتا ہے، اس کے کیا کیا مظاہر ہوتے ہیں؟ جن سورتوں کو ایک دوسرے کا مثنیٰ قرار دیا گیا ہے، ان کے موضوع میں نہایت گہرا تعلق ہوتا ہے؛ کبھی ایک سورت میں ایک فریق سے بحث ہوتی ہے تو دوسری سورت میں دوسرے فریق سے۔ مثال کے طور پر سورۃ البقرۃ میں یہود پر جب کہ سورۃ آل عمران میں نصاریٰ پر اتمام حجت کر کے منصبِ امامت سے ان کی معزولی کا اعلان کیا گیا ہے۔[۱۹] کبھی ایک سورت میں ایک حقیقت واضح کی جاتی ہے تو دوسری سورت میں اس کا لازمی نتیجہ سامنے رکھ دیا جاتا ہے۔ چناں چہ سورۃ الأنعام اور سورۃ الأعراف ایک دوسرے کے مثنیٰ ہیں۔ سورۃ الأنعام میں مشرکینِ عرب پر اتمام حجت کیا گیا ہے،جب کہ سورۃ الأعراف انذار کی سورت ہے جس میں مشرکین عرب کو اس عذاب سے خبردار کیا گیا ہے جو رسول کے مکذبین پر دنیا و آخرت میں آتا ہے[۲۰] کبھی ایک سورت میں تصویر کا ایک پہلو دکھایا جاتا ہے تو اس کے جوڑے میں تصویر کا دوسرا

۱۸- غامدی، مرجع سابق، ۵۲-۵۳۔

۱۹- اصلاحی، **تدبرِ قرآن**، ۲: ۹-۱۴۔

۲۰- نفسِ مصدر، ۳: ۲۱۵۔

رخ سامنے آجاتا ہے، جیسے سورۃ القیامۃ میں قیامت کے ذکر میں انذار کا پہلو غالب ہے تو سورۃ الدھر میں جنت کی نعمتوں کا ذکر ہے۔(۲۱) اسی طرح کسی سورت میں کسی بات کا اجمالاً ذکر ہوتا ہے تو اس کے جوڑے میں اس کی تفصیل سامنے رکھ دی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ الفرقان میں جن انبیاء علیہم السلام کا اجمالاً ذکر ہے، ان کا تفصیلی ذکر سورۃ الشعراء میں ہے۔(۲۲) یا سورۃ یونس میں موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ نسبتاً تفصیل سے اور نوح علیہ السلام کا تذکرہ اجمالاً ہوا ہے تو سورۃ ھود میں اس کے برعکس ہوا ہے۔(۲۳) اسی طرح مثنیٰ سورتوں کے موضوع میں تعلق کی دیگر کئی نوعیتیں بھی انھوں نے ذکر کی ہیں۔(۲۴)

مولانا اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بعض سورتیں جوڑا ہونے کے قانون سے مستثنیٰ بھی ہیں۔ مثال کے طور پر سورۃ الفاتحۃ کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن کا دیباچہ ہے، اس لیے باقی پورا قرآن اس کا جوڑا ہے۔(۲۵) اسی طرح سورۃ النور کے متعلق مولانا اصلاحی کہتے ہیں کہ یہ اپنے گروپ کے آخر میں ضمیمے کی حیثیت رکھتی ہے۔(۲۶) یہی بات وہ سورۃ الأحزاب اور سورۃ الحجرات کے متعلق بھی کہتے ہیں۔ مولانا اصلاحی سات گروپوں میں سورتوں کی اس تقسیم کو منصوص مانتے ہیں۔ ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ﴾ (۲۷) کی تفسیر میں وہ کہتے ہیں کہ مثانی مثنیٰ کی جمع ہے جو دہرائی جانے والی چیز کو نہیں کہتے، بلکہ اس کا

۲۱- نفسِ مصدر، ۹: ۹۹۔

۲۲- نفسِ مصدر، ۵: ۴۹۵۔

۲۳- نفسِ مصدر، ۴: ۹۷۔

۲۴- تکمیلیت کی یہ نوعیت جناب مشتاق احمد کے ایک مضمون "فراہی مکتبِ فکر اور سیرت نگاری" سے نقل کی گئی ہے جو ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے مجلے **فکر و نظر** (اکتوبر-دسمبر ۲۰۱۴ء) میں شائع ہوا ہے۔ اس نوعیت کو سب سے پہلے مربوط اور مفصل میں انداز میں جناب مستنصر میر نے مولانا اصلاحی کے تصورِ نظم پر ایک عمدہ اور فاضلانہ کتاب *Coherence in the Qur'ān* میں پیش کیا ہے۔

Mustansir Mir, *Coherence in the Qur'an* (USA: American Trust Publication, 1986), 75.

۲۵- اصلاحی، مصدرِ سابق، ۱: ۶۹- ۷۱۔

۲۶- اصلاحی، مصدرِ سابق، ۵: ۳۵۵۔

۲۷- القرآن ۱۵: ۸۷۔

مفہوم ہے "دو، دو" یا "جوڑا جوڑا"۔ چناں چہ وہ کہتے ہیں کہ یہاں مراد سورتوں کے سات گروپ ہیں جو دو دو سورتوں کے جوڑوں پر مشتمل ہیں۔ (۲۸)

تاہم قرآنِ کریم سے اس ترتیب کو منصوص بتاتا ایک تکلف اور کم زور تاویل ہے۔ ڈاکٹر مستنصر میر اس پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

> But even if Iṣlaḥī's criticism of the traditional interpretation of the word *aḥruf* were to be granted, it would be difficult to say that his own interpretation of the word is absolutely correct. For one thing, one might ask why the word *sab'* may not refer to the seven manāzil (''stations,'' i.e. parts; sing., manzil) into which the Qur'ān is traditionally divided for purposes of completing one Qur'ān- recitation in a week. [29]

(اگر 'احرف' کی روایتی تفسیر پر اصلاحی کی تنقید قابلِ قبول بھی ہو، تو اس لفظ کی خود ان کی اپنی تفسیر کو کلی طور پر صحیح کہنا بھی مشکل ہے؛ کیوں کہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ لفظ سبع سے سات منازل (یعنی احزاب، واحد، منزل) کیوں نہ مراد لی جائیں جن کے مطابق قرآن کو ایک ہفتے میں ختم کرنے کی سہولت کے پیشِ نظر روایتی طور پر تقسیم کیا گیا ہے۔)

یہی اعتراض مستشرق نیل رابنسن (Neal Robinson) نے بھی نقل کیا ہے۔ (۳۰) اسی طرح جب مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی تو ابھی بہت سا قرآن نازل ہونا باقی تھا۔ اس وقت کے لحاظ سے اس آیت کی کیا توجیہ ہو گی؟ کیا صحابہ کے ہاں بھی اس کی مراد یہی تھی؟ (۳۱)

۲۸- اصلاحی، مصدر سابق، ۴: ۳۷۶-۳۷۸۔

29- Mustansir Mir, op.cit., 97.

30- See: Neal Robinson, *Discovering the Qur'ān: A Contemporary Approach to a Veiled Text* (London: SCM Press, 2003), 280.

نیل رابنسن انگلستان کی یونی ورسٹی آف لیڈز کے شعبہ دینیات و مذہبی علوم میں اسلامیات کے پروفیسر ہیں۔ ۱۹۹۵ء میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے ساتھ ملاقات کے لیے پاکستان آئے۔ ڈاکٹر مستنصر میر کی مذکورہ بالا کتاب ان کی نظر سے گزری تو انھوں نے اسے غور سے پڑھا جس سے وہ نظمِ قرآن کے قائل ہوئے اور مولانا اصلاحیؒ سے اس موضوع پر تبادلہ خیال کیا۔ مولانا کے شاگرد جناب خالد مسعودؒ سے ملاقات میں انھوں نے بتایا کہ وہ اسلام قبول کر چکے ہیں، لیکن اس کا اعلان نہیں کیا۔ (دیکھیے: خالد مسعود، **توضیحات فکر فراہی**، مرتبہ حسان عارف، محسن فارانی (بھیرہ: مجلس مرکزیہ حزب الانصار، ۲۰۱۶ء)، ۲: ۲۲۳۔

۳۱- ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی وفات (۱۴/ اپریل ۲۰۱۰ء) سے تقریباً چھے ماہ پہلے راقم نے ان سے ایک ملاقات کی جس میں مولانا اصلاحیؒ کے تصورِ نظم کے مختلف پہلوؤں پر گفت گو کی۔ انھوں نے سورتوں کے جوڑوں کے تصور پر اپنے بعض اشکالات کا اظہار کیا اور ساتھ یہ اعتراض بھی ذکر کیا۔

مولانا اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر اگرچہ مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے اصولوں اور طریق تدبر کی تطبیق ہے، لیکن ایسا نہیں کہ مولانا اصلاحی نے ایک اندھے مقلد کی طرح استاد کی بات کو اختیار کیا ہو، بلکہ وہ تفسیر میں ان سے اختلاف کرتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں۔ یہ اختلاف سورتوں کے گروپوں کے تعین (مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں نو اور مولانا اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سات گروپ ہیں)، عمود کی دریافت اور آیات کی تفسیر و تاویل، مختلف پہلوؤں میں نظر آتا ہے، تاہم یہ درست ہے کہ مولانا اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ کے پیشِ نظر اگر فراہی رحمۃ اللہ علیہ کا اجمالی کام نہ ہوتا تو اس تفسیر کی اس شکل میں تکمیل ممکن نہ ہوتی۔ چند سال قبل مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے قرآن پر تفسیری حواشی **تعلیقات** کے نام سے چھپ کر شائع ہوئے ہیں، جن کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مصحف سے بھرپور استفادہ کیا ہے جس پر مولانا فراہیؒ قلم سے نوٹ لکھتے رہتے تھے۔ ڈاکٹر مستنصر میر کے پیشِ نظر چوں کہ یہ حواشی نہیں تھے (کیوں کہ وہ اس کتاب کی اشاعت کے بہت بعد میں شائع ہوئے) اس لیے انھوں نے کہا ہے کہ سورتوں کے جوڑے ہونے کا تصور مولانا اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ کا ذاتی تصور ہے، لیکن مذکورہ بالا حواشی میں اس کے اشارات بالکل واضح ہیں جہاں مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ بعض سورتوں کے جوڑا ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

شیخ سعید حویٰ اور مولانا امین احسن اصلاحی کا سورت کے نظم کا تقابلی مطالعہ

اب قرآنی سورت میں موضوعی وحدت کے حوالے سے دونوں شخصیات کے نقطۂ نظر کا تقابل کیا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لیے ایک قرآنی سورت میں دونوں شخصیات کے پیش کردہ نظم کو دو سطحوں پر دیکھنے کی کوشش کی جائے گی: نظمِ جلی (Macro Coherence) اور نظمِ خفی (Micro Coherence)۔ نظمِ جلی سے مراد یہ ہے کہ وہ ایک سورت کے بظاہر منتشر اجزا کو کس طرح مربوط کر کے ایک کل کے طور پر پیش کرتے ہیں؟ مرکزی مضمون کیا بیان کرتے ہیں اور یہ کلی تحلیل کس کے ہاں زیادہ عمیق ہے اور نظمِ خفی سے مراد بعض متعین آیات کے ربط و مناسبت کے بارے میں دونوں کے طرز کا جائزہ لینا ہے کہ کس کے ہاں سیاق و سباق سے بظاہر غیر مربوط نظر آنے والی آیات کو زیادہ گہرائی کے ساتھ دیکھا گیا ہے۔

نظمِ جلی (Macro Coherence)

۱- دونوں حضرات کا اس بات میں اتفاق ہے کہ ہر قرآنی سورت ایک مستقل وحدت ہے اور ان کے اجزا داخلی طور پر باہم مربوط ہیں، نیز ہر ایک سورہ کا ایک مرکزی موضوع ہوتا ہے، جس کے ساتھ سورہ کے اجزا کا ربط ہوتا ہے۔ اس مرکزی مضمون کو مولانا امین احسن اصلاحیؒ 'عمود' اور شیخ سعید حویٰ 'محور' کا نام دیتے ہیں۔

مولانا اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "نظم کا مطلب یہ ہے کہ ہر سورہ کا ایک خاص عمود یا موضوع ہوتا ہے اور سورہ کی تمام آیتیں نہایت حکیمانہ مناسبت اور ترتیب کے ساتھ اس موضوع سے متعلق ہوتی ہیں۔ سورہ کے بار بار مطالعہ سے جب سورہ کا عمود واضح ہو جاتا ہے اور سورہ کا تعلق بھی اس عمود کے سامنے آجاتا ہے تو پوری سورہ متفرق آیات کا ایک مجموعہ ہونے کے بجائے ایک نہایت حسین وحدت بن جاتی ہے۔"(۳۲)

شیخ سعید حوّیٰ کہتے ہیں:

ولقد استطعت بتوفيق الله أن أبرهن على أن كمال السورة في وحدة آياته في السورة الواحدة، وكماله في الوحدة الجامعة التي تجمع ما بين سوره وآياته على طريقة لم يعرف لها العالم مثيلاً، ولايمكن أن تخطر على قلب بشر، ولقد استطعت خلال هذا أن أرد السهم إلى كيد راميه من أعداء الله في هذه النقطة بالذات.(۳۳)

اللہ کی توفیق سے میں اس بات پر دلائل قائم کر سکا ہوں کہ ایک سورہ میں اس کا کمال قرآن کی آیات کی وحدت پر ہے۔ اور پورے قرآن کا کمال اس جامع وحدت میں ہے جو اس کی سورتوں اور آیات کو جوڑتی ہے۔ (یہ وحدت قرآن میں اس طور پر جلوہ گر ہے کہ) دنیا کے سامنے اس کی کوئی نظیر نہیں ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا گمان ہی گزر سکتا ہے۔ اس کے ذریعے میں اللہ کے ان دشمنوں کے فریب پر تیر اندازی کرنے کے قابل ہوا ہوں جو خاص طور پر اس نکتے (کہ قرآن میں ربط و مناسبت نہیں ہے۔) کو نشانہ بناتے ہیں۔

۲- دونوں حضرات کے نظریۂ نظم میں سورۂ فاتحہ کی حیثیت قرآنِ کریم کے مقدمہ کی ہے، جو اپنے اندر قرآن کے اجمال کی تفصیل سموئے ہوئے ہے۔

مولانا اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں "سورہ پر دیباچۂ قرآن ہونے کی حیثیت سے نظر" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

اس سورہ کو قرآن مجید کی ترتیب میں بھی دیباچۂ قرآن کی جگہ دی گئی ہے، اور حدیثوں میں بھی اس کے جو مختلف نام آئے ہیں، ان سے بھی اس کی یہی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ مثلاً اس کو فاتحۃ الکتاب کہا گیا ہے، جس کے صاف معنیٰ دیباچۂ قرآن کے ہیں، اسی طرح اس کے لیے ام الکتاب یعنی مغزِ قرآن کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے، جو پہلے لفظ سے بھی زیادہ اس کی اہمیت

۳۲- امین احسن اصلاحی، **مبادیٔ تدبر قرآن** (لاہور: فاران فاؤنڈیشن، ۲۰۰۴ء)، ۱۹۵۔

۳۳- سعید حوی، **الأساس في التفسير**، ۱: ۲۷۔

کو واضح کرنے والا ہے۔ کافیہ اور مُوقِّیہ بھی اس کے نام ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سورہ اپنے اندر تمام قرآنی مَطالب کو سمیٹے ہوئے ہے۔[۳۴]

مولانا اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ سورہ تین پہلوؤں سے قرآن کا مقدمہ ہے:

۱- اس میں دین و شریعت کے نقطۂ آغاز کا پتا دیا گیا ہے۔

۲- یہ سورہ قرآن کے تین مرکزی موضوعات –توحید، قیامت اور رسالت- پر بنیادی رہ نمائی دیتی ہے۔

۳- ہماری باطنی پیاس اس سورہ سے ظاہر ہو رہی ہے اور یہی قرآن کے نزول کا سبب بنی ہے۔[۳۵]

شیخ سعید حویٰ بھی اس سورہ کو قرآنِ کریم کا مقدمہ قرار دیتے ہیں اور اس کو قرآن کے اجمال کی تفصیل گردانتے ہیں، تاہم انھوں نے اس اجمال اور تفصیل کو ذرا مختلف انداز سے دیکھا ہے، وہ کہتے ہیں:

إذا كانت الفاتحة مقدمة القرآن فقد تجمعت فيها مقاصده ومعانيه، فالقرآن يدورحديثه حول العقائد والعبادات، ومناهج الحيٰوة، وقد بدأت السورة بذكر العقائد: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَۙ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِۙ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾[۳۶] وثُنِّتْ بالعبادات: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾[۳۷] وثلثت بمناهج الحيٰوة: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَۙ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۝﴾[۳۸] والقرآن دعوة إلى العقيدة أولًا، ثم إلى العبادة، ثم إلى مناهج الحيٰوة، وقد تسلسلت المعاني في هذه السورة على الترتيب.[۳۹]

اگر فاتحہ قرآنِ کریم کا مقدمہ ہے تو اس میں قرآن کے معانی اور مقاصد جمع ہو گئے ہیں، چناں چہ قرآن کی گفت گو عقائد، عبادات اور زندگی کے طریقوں کے گرد گھومتی ہے۔ سورہ کا آغاز عقائد کے بیان سے ہوتا ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَۙ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِۙ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ دوسرے نمبر پر عبادات کا ذکر ہے: ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ

۳۴- اصلاحی، **تدبر قرآن**، ۱: ۶۹۔

۳۵- دیکھیے: نفس مصدر، ۱: ۶۹-۷۱۔

۳۶- القرآن ۱: ۲ – ۴۔

۳۷- القرآن ۱: ۵۔

۳۸- القرآن ۱: ۶ – ۷۔

۳۹- سعید حوی، **الأساس في التفسير**، ۱: ۳۸۔

نَسْتَعِيْنُ﴾ تیسرے نمبر پر طرزِ حیات کا ذکر ہے: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝﴾ قرآن اوّلاً عقیدہ کی دعوت ہے، پھر عبادت کی اور پھر طرزِ حیات کی۔ اس سورہ میں معانی اسی ترتیب پر وارد ہوئے ہیں۔

شیخ سعید حویٰ رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں فاتحہ کے مضامین کا دائرہ عقائد سے معاملات بیان کیا ہے جب کہ مولانا اصلاحیؒ نے اس وضاحت کو عقائدِ ثلاثہ تک رہنے دیا ہے۔

۳- سورہ کا موضوعی مطالعہ کرتے ہوئے دونوں حضرات اس کو اجزا اور پیراگرافوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ یہ تقسیم سورہ کی معنوی اور فنی مناسبتوں کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ مولانا اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ ان پیراگرافوں کو کوئی خاص نام نہیں دیتے، البتہ بعض سورتوں میں مقدمے اور خاتمے کا ذکر کرتے ہیں، لیکن شیخ سعید حوّیٰ کے ہاں ان اجزا کے مستقل نام ہوتے ہیں: قسم، مقطع، فقرہ اور مجموعہ۔ [۴۰]

یہاں کچھ سورتوں کے حوالے سے دونوں کے طریقۂ تفسیر کا تقابل کیا جاتا ہے، تاکہ قرآنی سورتوں میں موضوعی وحدت کے بیان میں دونوں کا طریقہ واضح ہو سکے۔ اس مقصد کے لیے مدنی سورتوں میں سے سورۂ نساء اور مکی سورتوں میں سورۂ ذاریات کا انتخاب کیا گیا ہے۔ مدنی سورتوں میں چوں کہ موضوعات کا تنوع ہوتا ہے اور ان میں نظم کی تلاش مکی سورتوں کے مقابلے میں مشکل کام ہوتا ہے، اس لیے اس تقابل کے لیے ایک مدنی سورت کا انتخاب کیا گیا ہے، جب کہ مکی سورتوں میں موضوعات کے سادہ ہونے کے سبب نظم کی مشکلات نسبتاً کم ہوتی ہیں، اس لیے نمونے کے طور پر ایک مکی سورت کا بھی انتخاب کیا گیا۔

سورۂ نساء میں موضوعی وحدت: نموذجی مطالعہ

مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے اس سورہ کو تین بنیادی اجزا میں تقسیم کیا ہے اور پھر موضوع کی مناسبت سے ان اجزا کو مزید تیس حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۴۰- قِسم کا لفظ شیخ بڑی سورتوں میں استعمال کرتے ہیں۔ ایک قِسم مختلف مقاطع کا مجموعہ ہوتی ہے جو معنوی اعتبار سے ایک وحدت ہوتے ہیں۔ شیخ کی تقسیم میں قِسم کی حیثیت سب سے بڑے پیراگراف کی ہوتی ہے۔ مقطع، فقرہ سے بڑا ہوتا ہے۔ یہ وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں ایک موضوع کی حامل کئی آیات ہوں۔ ان آیات کا مجموعہ مقطع کہلاتا ہے۔ اسی طرح فقرہ مجموعہ سے بڑا ہوتا ہے۔ جب ایک مقطع ایک موضوع کا حامل ہو لیکن اس میں مختلف رئیسی معانی موجود ہوں تو مقطع کے ہر رئیسی معنیٰ کو شیخ فقرہ کا نام دیتے ہیں۔ جب ایک فقرہ میں ایک سے زائد معانی ہوں جن کی تشریح ماقبل اور مابعد سے جدا ذکر کرنا مناسب ہو تو ہر معنیٰ کے لئے شیخ فقرہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ (دیکھیے: سعید حوی، نفسِ مرجع، ۱: ۳۱۔)

۱- اصلاحِ معاشرہ (۱-۴۳)

۲- اسلامی جماعت اور اس کے معاندین (۴۴-۱۲۶)

۳- نتیجہ (۱۲۷-۱۷۶)

سورہ کے عمود کے بارے میں کہتے ہیں: "اس سورہ میں گویا اس ارتباطِ باہمی کی بنیادیں استوار کی گئی ہیں جس کی ہدایت پر سابق سورہ ختم ہوئی تھی۔"[۴۱]

شیخ سعید حویٰ اس سورہ کو تیرہ مقاطع میں تقسیم کرتے ہیں:

مقطعِ اول: تقویٰ اور اس کے تقاضوں کا مطالبہ (۱-۱۸)

مقطعِ دوم: خاندانی امور کے بعض معاملات (۱۹-۲۸)

مقطعِ سوم: قضیۂ عبادت (۲۹- ۴۲)

مقطعِ چہارم: ذکرِ اہلِ کتاب، بشارت و انذار (۴۳-۵۸)

مقطعِ پنجم: اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت (۵۹-۷۰)

مقطعِ ششم: قتال کے تعلق سے تقویٰ اور عبادت کے معانی کی وضاحت (۷۱-۹۳)

مقطعِ ہفتم: قتال سے متعلقہ معاملات کے حوالے سے سابقہ مقطع کا تسلسل (۹۴-۱۰۴)

مقطعِ ہشتم: اقامتِ عدل (۱۰۵-۱۳۵)

مقطعِ نہم / دہم: تقویٰ، نفاق اور کفر کی ماہیت سے متعلقہ امور کی تفصیل (۱۳۶-۱۶۲)

مقطعِ یازدہم: حضرت محمد ﷺ کی طرف وحی کا اثبات (۱۶۳-۱۷۰)

مقطعِ دوازدہم: اہلِ کتاب کو دعوت (۱۷۱-۱۷۳)

مقطعِ سیزدہم: قرآن کے برہان ہونے کا اثبات اور میراث کے بعض احکام (۱۷۴-۱۷۶)

سورۂ نساء کا محور شیخ سعید حویٰ کے ہاں سورۂ بقرہ کی یہ آیات ہیں:

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۴﴾

۴۱- اصلاحی، تدبرِ قرآن، ۲: ۲۳۸۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾[42]

(لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم (اس کے عذاب سے) بچو۔ جس نے تمھارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے مینہ برسا کر تمھارے کھانے کی لیے انواع و اقسام کے میوے پیدا کیے، پس کسی کو خدا کا ہم سر نہ بناؤ اور تم جانتے تو ہو۔) اور اگر تم کو اس (کتاب) میں جو ہم نے اپنے بندے (محمد عربی ﷺ) پر نازل فرمائی ہے، کچھ شک ہو تو اس طرح کی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ اور خدا کے سوا جو تمھارے مددگار ہوں، ان کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو، لیکن اگر (ایسا) نہ کر سکو اور ہرگز نہیں کر سکو گے، تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے، (اور جو) کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کو خوش خبری سنا دو کہ ان کے لیے (نعمت کے) باغ ہیں، جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، جب انھیں ان میں سے کسی قسم کا میوہ کھانے کو دیا جائے گا تو کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہم کو پہلے دیا گیا تھا اور ان کو ایک دوسرے کے ہم شکل میوے دیے جائیں گے اور وہاں ان کے لیے پاک بیویاں ہوں گی اور وہ بہشتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔)

مذکورہ بالا تفصیل کو سامنے رکھنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مولانا اصلاحیؒ کے بیان کردہ عمود میں زیادہ دقتِ نظر کا ثبوت دیا گیا ہے اور وہ سورۂ نساء کے مفاہیم کو زیادہ جامع ہے، کیوں کہ اس سورہ کے عمومی مضامین کا تعلق عائلی مسائل اور اجتماعی تعلقات کے ساتھ ہے۔ پھر مولانا اصلاحیؒ کی تقسیم میں تین مرکزی اجزا ایسے عنوانات لیے ہوئے ہیں جن میں تحدید اور تعین کی کیفیت نظر آتی ہے اور سورہ کے عمود کے ساتھ ان کا براہِ راست تعلق ہے، لیکن شیخ سعید حویٰؒ کی تقسیم میں موضوعات کے عنوانات میں انتشار پایا جاتا ہے اور سورت کے محور کے ساتھ ان کا تعلق براہِ راست معلوم نہیں ہوتا؛ چناں چہ سورۂ بقرہ کی مذکورہ بالا آیات کو سامنے رکھنے سے یہ بات واضح ہے کہ ان میں توحیدِ ربوبیت، منکرین قرآن کو تحدّی اور انذار وبشارت کے مضامین بیان ہوئے ہیں۔ شیخ کی مذکورہ تقسیم میں چوتھے اور گیارھویں مقطع میں بالترتیب بشارت وانذار اور وحیِ محمدی کے مضامین کا بیان ہے، جن کا تعلق سورۂ بقرہ کی مذکورہ آیات کے ساتھ واضح ہے، لیکن باقی عنوانات کو ان مضامین کے ساتھ تکلف اور کھینچا تانی کے بغیر مربوط کرنا بظاہر ممکن معلوم نہیں ہوتا۔

اس کے علاوہ شیخ کے بیان کردہ محور (جو سورۂ بقرہ کی مذکورہ آیات پر مشتمل ہے اور ان میں تقریباً چار مضامین کا بیان ہے۔) میں قطعیت اور ارتکاز نہیں ہے اور وہ مختلف مضامین کا مجموعہ ہے۔ نیز تقویٰ اور عبادت

۴۲- القرآن ۲: ۲۱ – ۲۵۔

قرآنِ کریم کی عمومی اصطلاحات ہیں اور قرآنِ کریم کی ہر تعلیم کا ان کے ساتھ تعلق ایک ایسی بات ہے جو کسی گہرے تدبر کی متقاضی نہیں ہے۔

سورۂ ذاریات میں موضوعی وحدت

سورۂ ذاریات کے مرکزی محور کے حوالے سے شیخ سعید حویٰ کہتے ہیں کہ ذاریات، طور اور نجم، یہ تینوں سورتیں سورۂ بقرہ کے اس فرمان کی شرح ہیں: ﴿الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۗ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۙ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾[۴۳] اسی وجہ سے ان سورتوں میں تقویٰ اور متقین کے بارے میں کلام ہوا ہے چناں چہ سورۂ ذارایات میں متقین کے اوصاف بیان کرتے ہوئے یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۙ﴿۱۵﴾ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ۭ﴿۱۶﴾ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّاۗئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾﴾[۴۴] وہ لکھتے ہیں کہ ان الفاظ کا ربط سورۂ بقرہ میں الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ سے بنتا ہے اور سورۂ ذاریات کے یہ الفاظ: ﴿وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ﴾[۴۵] بقرہ میں وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ سے مربوط ہیں۔[۴۶] سورت کا مرکزی اور رئیسی مضمون یومِ آخرت ہے۔[۴۷] اس سورت کا مجموعی نظم یہ ہے:

مقدمہ (چھے آیات)، ایک مقطع (جو دو فقروں سے مل کر بنا ہے اور دوسرا فقرہ کئی مجموعوں پر مشتمل ہے۔) اور ایک خاتمہ (پانچ آیات) سورۂ بقرہ کی پہلی پانچ آیات جو اس سورت کا محور ہیں ان کا اختتام متقین کے لیے اچھی جزا کے بیان پر ہوا ہے ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾۔ سورۂ ذاریات کے مقدمے کا مضمون بھی یہی جزا والا ہی ہے۔ مختلف اشیا کی قسمیں کھانے کے بعد یہ الفاظ آئے ہیں: وَاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ۔

۴۳- القرآن ۲: ۱ - ۵

۴۴- القرآن ۵۱: ۱۵ – ۱۹۔

۴۵- القرآن ۵۱: ۲۰۔

۴۶- سعید حوی، الأساس في التفسير، ۱۰: ۵۵۰۶۔

۴۷- نفس مصدر، ۱۰: ۵۵۱۴۔

سورت کے دو فقرے ہیں؛ فقرۂ اول آیات ۷-۲۳ پر مشتمل ہے اور اس کی حیثیت مقدمے کی ہے جس میں یومِ آخرت، اہلِ ایمان کے لیے اجر، منکرین کے لیے سزا اور یومِ آخرت پر انفسی اور آفاقی دلائل کو بیان کیا گیا ہے۔ اس مقدمے کو سورۂ بقرہ کی مذکورہ بالا آیات سے تعلق واضح ہے کہ ان میں اوصافِ متقین کا بیان ہے۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ آخرت پر یقین رکھنے والے لوگ زمین اور اپنی ذات میں کئی آیات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔(۴۸) دوسرا فقرہ ۲۴- ۵۴ آیات پر مشتمل ہے اور چھے مجموعوں میں منقسم ہے۔

مجموعۂ اول: ۲۴- ۳۷، مجموعۂ ثانی: ۳۸- ۴۰، مجموعۂ ثالث: ۴۱- ۴۲، مجموعۂ رابع: ۴۳- ۴۵، مجموعۂ خامس: ۴۶، مجموعۂ سادس: ۴۷- ۵۵۔

خاتمۂ سورت جو کہ ۵۶- ۶۰ آیات پر مشتمل ہے۔

مولانا اصلاحیؒ کے ہاں بھی سورت کا عمود اثباتِ آخرت ہے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

یہ سورہ، سابق سورہ -ق- کی مثنیٰ ہے۔ سورۂ ق کی تفسیر میں آپ نے دیکھا کہ ان لوگوں کو جواب دیا گیا ہے جو قرآن کے اس دعوے کو بعید اس امکان قرار دیتے تھے کہ لوگ مرنے کے بعد از سرِ نو زندہ کرکے اٹھائے جائیں گے۔ اس سورہ میں ایک قدم اور آگے بڑھ کر قرآن کے انذارِ عذاب کو بھی ثابت کیا گیا ہے اور جزا و سزا کو بھی۔ سورہ کا عمود اس کی تمہید ہی میں ان الفاظ میں واضح فرما دیا گیا ہے: "إنما توعدون لصادق، وإن الدين لواقع." (بے شک جو وعید تم کو سنائی جا رہی ہے، وہ بالکل سچی ہے اور جزا و سزا لازماً واقع ہو کر رہے گی۔)(۴۹) سورۂ ذاریات کے نظم پر دونوں شخصیات کی گفت گو پر غور کیا جائے تو دونوں کے ہاں اس کا عمود یا مرکزی مضمون 'اثباتِ آخرت' ہے، چناں چہ اس تعقل سے مندرجاتِ سورت کو دونوں نے اسی مضمون کے ساتھ مربوط کر کے دیکھا ہے، لیکن چوں کہ شیخ سعید حویٰ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ سورہ، سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات کی تفصیل ہے، اس لیے اثباتِ آخرت کے ساتھ انھوں نے سورت کے مندرجات کو صفاتِ متقین و منکرین کے ساتھ بھی مربوط کیا ہے۔ اس سورت کے نظم میں بھی مولانا اصلاحیؒ کے بیان کردہ نظم میں زیادہ ربط اور وحدانیت کار فرما نظر آتے ہیں اور سورت ایک تسلسل کے ساتھ رواں اور عمود کے گرد گھومتی محسوس ہوتی ہے۔

۴۸- نفس مصدر، ۱۰: ۵۵۱۲۔

۴۹ - اصلاحی، **تدبر قرآن**، ۷: ۵۷۵۔

نظمِ خفی (Micro Coherence)

مذکورہ بالا بحث کا تعلق موضوعی نقطۂ نظر سے قرآنِ کریم کی سورہ کے عمومی مطالعہ سے ہے۔ سورہ کے داخلی نظم اور تناسب کے پہلو سے یہاں مختلف سورتوں کے نمونے سامنے رکھ کر جائزہ لیا جاتا ہے تاکہ یہ اندازہ کیا جاسکے کہ دونوں حضرات میں کون اس سلسلے میں زیادہ کامیاب ہو سکا ہے۔

۱- سورۂ بقرہ کی ان آیات میں ’اصحابِ سبت‘ کا ذکر ہے: ﴿وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ﴾ [۵۰] (اور تم ان لوگوں کو خوب جانتے ہو جو تم میں سے ہفتے کے دن (مچھلی کا شکار کرنے) میں حد سے تجاوز کر گئے تھے تو ہم نے ان سے کہا کہ ذلیل وخوار بندر ہو جاؤ۔)

اس کے بعد ذبحِ بقرہ کا ذکر ہے: ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ﴾ [۵۱] (اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ ایک بیل ذبح کرو وہ بولے کیا تم ہم سے ہنسی کرتے ہو؟ (موسیٰ نے) کہا کہ میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ نادان بنوں؟)

اب ان دونوں قصوں کے درمیان کیا مناسبت ہے؟

شیخ سعید حویٰ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں قصے یہود کی طبیعت و خصلت کے دو پہلوؤں کو واضح کرتے ہیں۔[۵۲] مولانا امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ دونوں قصے یہود کے اس نقضِ عہد کی مثال کے طور پر پیش کیے گئے ہیں جس کا ذکر پہلے آیا ہے: ﴿ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ [۵۳] (تو تم اس کے بعد (عہد سے) پھر گئے اور اگر تم پر خدا کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو تم خسارے میں پڑ گئے ہوتے۔)

۵۰- القرآن ۲: ۶۵۔

۵۱- القرآن ۲: ۶۷۔

۵۲- دیکھیے: سعید حوی، **الأساس في التفسیر**،۱: ۸۲۔

۵۳- القرآن ۲: ۶۴،اصلاحی، **تدبر قرآن**،۱: ۲۴۵- ۲۴۶۔

شیخ سعید حوّیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ بات واضح ہے کہ یہ یہود کی طبیعت کا بیان ہے لیکن یہ ربط، جیسا کہ واضح ہے، سیاق وسباق کے وسیع تناظر میں نہیں ہے نیز کلام سے یہ بات بداہتاواضح ہے۔ اس سے کلام میں تناسب کی وہ حیثیت واضح نہیں ہوتی جو مولانا اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ ربط میں ہے۔ جب ان قصوں کے متعلق یہ کہا گیا کہ یہ یہود کے نقضِ عہد کی مثال ہے تو اس سے نہ صرف ان دونوں قصوں میں ربط واضح ہو گیا، بلکہ یہ ربط سورت کی عمومی فضا سے بھی زیادہ قربت رکھتا ہے، کیوں کہ یہ بات بادنیٰ تامل واضح ہے کہ سورۂ بقرہ یہود کی بے وفائیوں اور ناشکریوں کا تذکرہ ہے اور ان کی یہ کمیاں بالآخر ان کی سیادت سے محرومی کا سبب بنی۔ مولانا اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ کے نظام میں یہ مضمون تدریج کے ساتھ آگے بڑھتا ہوا سورۂ مائدہ میں اپنے عروج پر پہنچ جاتا ہے۔

۲- سورۂ بقرہ کی آیات ۲۲۸-۲۳۷ میں طلاق اور متعہ دینے کے احکام ہیں، اس کے بعد یہ آیت آتی ہے: ﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾ [۵۴] ((مسلمانو!) سب نمازیں خصوصاً بیچ کی نماز (یعنی نماز عصر) پورے التزام کے ساتھ ادا کرتے رہو اور خدا کے آگے ادب سے کھڑے رہا کرو۔) اس کے بعد پھر مطلقہ عورتوں کو متعہ دینے کا ذکر ہے اور پھر بنی اسرائیل کی تاریخ کے ایک قصے کی طرف اشارہ ہے۔ [۵۵] یہ کلام کا اچانک انتقال ہے، جس میں بظاہر ربط معلوم نہیں ہوتا۔

شیخ سعید یہاں ربط کی چار صورتیں ذکر کرتے ہیں، ربط کی آخری دو صورتیں ان کے نزدیک یہ ہیں:

...ثالثاً: إن مجيء الأمر بالصلٰوة بين أحكام الطلاق وغيرها من شؤون النساء، يشعر أن هذه الأحكام تحتاج إلى صلٰوة في كل حال - في السلم والحرب - حتى تقدم، وأن المسلم الذي لايقيم الصلٰوة في كل حال، لايقيم أحكام الله الأخرى.

رابعاً: مجيء الآيتين هنا توطئةً لما بعد آيات الطلاق والنكاح؛ فبعض الأسئلة التي ذكرت في الآيات السابقة على آيات النكاح ذكرت فريضة القتال، وما بعد آيات الطلاق كلام عن القتال، وفي هاتين الآيتين أمر بالصلٰوة وإقامتها حتى في القتال. وهكذا الإسلام كلٌ متكاملٌ، يتغذى كل جزء منه من الآخر، وقيامه جميعاً مرتبط بعدم نسيان جزء منه، ولا إسلام إلا بالصلٰوة، هذا ما اتضح لي من الحكمة في مجيء هاتين الآيتين في هذا المقام. [۵٦]

۵۴- القرآن ۲: ۲۳۸۔

۵۵- القرآن ۲: ۴۳۔

۵٦- سعید حوی، مصدرِ سابق، ۱: ۲۸۰۔

سوم: احکامِ طلاق اور خواتین سے متعلقہ معاملات کے درمیان نماز کا حکم اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ احکام ہر حال میں نماز کا تقاضا کرتے ہیں، خواہ جنگ ہو یا امن، اور جو مسلمان کسی حال میں نماز قائم نہیں کرتا وہ اللہ کے دیگر احکام کو بھی پورا نہیں کرے گا۔

چہارم: یہاں ان دو آیات کا آنا بعد کے احکامِ طلاق و نکاح کے لیے ایک تمہید ہے۔ آیاتِ نکاح سے پہلے کی بعض آیات میں فریضۂ قتال کے بارے میں سوالات ہیں، اور آیاتِ طلاق کے بعد قتال کا ذکر ہے۔ اب ان دو آیات میں نماز کا حکم ہے حتی کہ حالتِ جنگ میں بھی۔ یوں اسلام ایک کلی وحدت ہے جس کا ایک جزء دوسرے جزء سے غذا حاصل کرتا ہے۔ اور پورے اسلام پر عمل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے کسی جزء کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور اسلام کا وجود نماز کے بغیر ہے ہی نہیں۔ اس مقام پر ان دو آیات کی یہی حکمت مجھ پر واضح ہوئی ہے۔

مولانا اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ آیتِ صلوٰۃ کا محل واضح کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

احکام و قوانین کا باب جو آیت ۱۶۳ سے توحید اور اس کے بعد نماز اور زکوٰۃ کے ذکر سے شروع ہوا تھا اب ان آیات پر ختم ہو رہا ہے۔ اس مجموعۂ آیات کی ترتیب اس طرح ہے کہ ایک آیت، جو اصل خاتمۂ باب کی حیثیت رکھتی ہے، خوف اور امن ہر طرح کے حالات میں نمازوں کی حفاظت سے متعلق ہے اور دو آیتوں میں بیوہ اور مطلقہ سے متعلق، جن کا ذکر اوپر کے باب میں ہوا تھا، بعض ضمنی ہدایات ہیں جو بعد میں نازل ہوئیں۔ یہ دونوں آیتیں خاتمۂ باب کے ساتھ ملحق کر دی گئیں تاکہ کلام میں ان کی ترتیب ہی سے واضح ہو جائے کہ یہ آیات اصل احکام کے بعد بطور وضاحت نازل ہوئی ہیں، چنانچہ ان کے ساتھ كذلك يبين الله لكم آياته کا ٹکڑا لگا کر ان کے توضیحی آیات ہونے کی طرف اشارہ بھی فرما دیا تاکہ نظمِ کلام کے طالب کو ربطِ کلام کے سمجھنے میں کوئی زحمت پیش نہ آئے۔

گویا خاتمۂ باب کی اصل آیت حافظوا على الصلوات والصلوٰة الوسطى والی آیت ہے۔ اب اس باب کے آغاز پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ اس کے آغاز میں توحید کے ذکر کے بعد احکامِ شریعت کے سلسلہ میں سب سے پہلے آیت ۱۷۷ میں نماز اور ساتھ ہی زکوٰۃ کا ذکر آتا ہے۔ یہاں دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ اس باب کا خاتمہ بھی نماز ہی کے ذکر پر ہوا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دین میں جو اہمیت نماز کی ہے وہ دوسری کسی چیز کی بھی نہیں ہے۔۔۔۔ سورۂ بقرہ میں اس پورے باب کو، جو احکام و قوانین سے متعلق ہے، آگے اور پیچھے دونوں طرف سے نماز کے حکم سے گھیر دیا ہے۔[۵۷]

۵۷- اصلاحی، **تدبر قرآن**، ۱: ۵۴۹- ۵۵۱؛ مدرسۂ فراہی کے ایک دوسرے نامور ماہرِ علومِ تفسیر، مولانا اختر احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہاں پر اسی نوعیت کی گفت گو کی ہے۔ (دیکھیے: اشتیاق احمد ظلی (مرتب)، **قرآنی مقالات** (علی گڑھ: ادارہ علوم القرآن، ۲۰۱۲ء)، ۳۷- ۴۲۔)

شیخ سعید حویٰ رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ نظم میں تعدد ہے کیوں کہ وہ آیات کے چار روابط ذکر کرتے ہیں۔ یہ چیز کلام کے داخلی ربط کو مختلف وجوہ کا محتمل بنا دیتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس ربط میں کلام کو مجموعی فضا کے تناظر میں نہیں دیکھا گیا ہے، جب کہ مولانا اصلاحیؒ کے ہاں نماز والی آیت کو احکامِ طلاق وغیرہ کے ساتھ مربوط کرنے کے بجائے ایک دوسرے زاویے سے حلقۂ اتصال کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ یہاں سے مولانا اصلاحیؒ کے نظم کی وہ خصوصیت سامنے آتی ہے جس کو جناب جاوید احمد غامدی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: "(قرآنی سورتوں کے پیرے اور فصلیں) ربطِ آیات کے طریقے پر نہیں، بلکہ تمثیل، تعلیل، تاصیل، تکمیل، سوال، جواب، تفریع، نتیجہ، اعتراض، تنبیہ، تقابل، تشابہ، عود علی البدء، استدراک اور اس طرح کے بعض دوسرے پہلوؤں سے باہم دگر متعلق ہوتے ہیں اور سورہ کو ایک مربوط کلام بناتے ہیں۔"(۵۸)

سورتوں کے داخلی ربط میں اگر آیات کو باہم مربوط کیا جائے تو بسا اوقات ربط میں واضح تکلف محسوس ہوتا ہے لیکن اگر کلام کو ربط کی مذکورہ بالا صورتوں کے تناظر میں دیکھا جائے اس سے ربط کا مسئلہ بڑی حد تک واضح ہو جاتا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کوئی آیات جو ایک جگہ پر بظاہر بے ربط معلوم ہوتی ہو تو اس کو متصل آیات کے ساتھ جوڑ کر دیکھنے کے بجائے ذرا فاصلے پر موجود آیات کے ساتھ ملا کر دیکھا جا سکتا ہے اور یہ بات انسانی کلام میں بھی کثرت سے واقع ہوتی ہے۔

سورتوں کے جو عمود مولانا اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں، ان میں عام طور پر ایک جامعیت اور عموم کی شان ہوتی ہے جو سورہ کے منتشر اجزا کو ایک نامیاتی وحدت میں پرو دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں سورہ ایک کلی وحدت کی شکل میں متشکل ہو جاتی ہے، جس کے اجزا باہم دگر مربوط ہوتے ہیں۔

سورہ نساء کی مذکورہ مثال کو سامنے رکھتے ہوئے اس بات کو واضح کیا جاتا ہے۔ شیخ سعید حویٰ رحمۃ اللہ علیہ اس سورہ کے محور کے بارے میں فرماتے ہیں: ''فهي توضح ما يدخل في التقوى، وتوضح الطريق إليها، وتوضح قضية الإيمان والعمل الصالح، وتوضح الموقف من القرآن ومن الرسول ﷺ.''(۵۹)

(یہ سورہ تقویٰ میں داخل امور اور اس کی طرف رسائی کے طریقہ کو واضح کرتی ہے۔ نیز وہ قضیۂ ایمان، عملِ صالح اور قرآن ورسول ﷺ کے موقف کی وضاحت بھی کرتی ہے۔)

۵۸- جاوید احمد غامدی، **میزان** (لاہور: المورد، ۲۰۰۹ء)، ۵۳۔

۵۹- سعید حوی، مصدرِ سابق، ۲: ۹۸۰۔

مولانا اصلاحیؒ سورہ کا عمود بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں: "اس سورہ میں اس ارتباطِ باہمی کی بنیادیں استوار کی گئی ہیں جس کی ہدایت پر سابق سورہ ختم ہوئی تھی۔"[٦٠]

دونوں حضرات کے بیان کردہ محاور کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات واضح ہے کہ مولانا اصلاحیؒ کے بیان کردہ مرکزی مضمون میں انضباط اور ترکیز پائی جاتی ہے اور وہ ہے ارتباطِ باہمی، لیکن شیخ سعید حویٰ کا بیان کردہ محور تقویٰ، ایمان، عملِ صالح وغیرہ امور کا مجموعہ ہے۔ قرآنِ کریم کی جملہ تعلیمات، خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی، انھی امور کے تحت داخل ہیں، اور ان کے بارے میں یہ بات ثابت کرنا کسی گہرے غور وفکر کا متقاضی نہیں ہے کہ ان کا تقویٰ، ایمان وغیرہ سے کیا تعلق ہے۔

نظمِ قرآن اور سببِ نزول میں تعارض کے باب میں شیخ سعید حویٰ اور مولانا اصلاحی کا طریقِ تفسیر

قرآنِ کریم کی بعض آیات تو وہ ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے از خود نازل کی ہیں اور کوئی خاص واقعہ ان کے نزول کے سبب نہیں ہوا ہے، جب کہ متعدد آیات ایسی ہیں جن کے نزول کا سبب کوئی خاص واقعہ ہوا ہے۔ اس طرح کی آیات کے ذیل میں مفسرین اسبابِ نزول کے واقعات ذکر کرتے ہیں کہ فلاں آیت یا سورت اس سبب سے نازل ہوئی۔ بعض اوقات ایک ایک آیت کے تحت ایک سے زیادہ اسبابِ نزول مذکورہ ہوتے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہؒ نے اس حوالے سے اپنی معروف کتاب **الفوز الکبیر** میں جو کچھ لکھا ہے، اس کا حاصل مولانا تقی عثمانی نے ان نکات کی شکل میں بیان کیا ہے:

١- بعض مرتبہ کسی علمی مباحثہ میں کسی صحابی نے وہ آیت بطور دلیل پیش کر دی، مفسرین یہ واقعہ اس آیت کے تحت ادنیٰ مناسبت سے ذکر کر دیتے ہیں۔

٢- بعض مرتبہ آں حضرت ﷺ نے کسی موقع پر اس آیت سے استشہاد فرمایا، مفسرین اسے بھی آیت کے تحت نقل کر دیتے ہیں۔

٣- جو بات کسی آیت میں بیان کی گئی ہے، بعض مرتبہ وہی بات کسی حدیث میں بھی آپ نے ارشاد فرمائی، تفسیر کی کتابوں میں وہ حدیث بھی اس آیت کے تحت روایت کر دی جاتی ہے۔

٤- بعض مرتبہ مفسرین کوئی روایت محض یہ بتانے کے لیے نقل کرتے ہیں کہ آیت کس مقام پر نازل ہوئی، یہ روایت بھی تفسیر کے ذیل میں درج ہو جاتی ہے۔

٦٠- اصلاحی، مصدرِ سابق، ٢: ٢٣٨۔

۵- بعض دفعہ قرآنِ کریم کچھ لوگوں کا ذکر مبہم طور پر فرماتا ہے اور ان کا نام ذکر نہیں کرتا، مفسرین روایتوں کے ذریعے ان کا نام متعین کر دیتے ہیں۔

۶- بعض مرتبہ کسی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ کریم کے فلاں لفظ کا صحیح تلفظ کیا ہے؟ تفسیر کی کتابوں میں ایسی روایات بھی درج ہوتی ہیں۔

۷- بعض احادیث اور آیات میں قرآن کریم کی مختلف سورتوں یا آیتوں کے فضائل بیان ہوئے ہیں، مفسرین ان روایات کو بھی متعلقہ مقامات پر نقل کر دیتے ہیں۔ بعض مقامات پر ایسی احادیث بھی تفسیر کے ذیل میں منقول ہیں، جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے اس حکم پر آں حضرت ﷺ نے کس طرح عمل فرمایا؟

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی روایات نہ سبب نزول کی تعریف میں داخل ہیں اور نہ مفسر کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس قسم کی تمام روایات سے پوری طرح واقف ہو۔ البتہ وہ روایات جو واقعتاً آیت کا سبب نزول ہیں، ان کا جاننا مفسر کے لیے نہایت ضروری ہے اور اس کے بغیر علمِ تفسیر میں دخل دینا جائز نہیں، چناں چہ خود حضرت شاہ صاحبؒ آگے چل کر لکھتے ہیں:۔۔۔ البتہ مفسر کے لیے دو باتوں کا جاننا لازمی شرط کی حیثیت رکھتا ہے، ایک تو وہ واقعات جن کی طرف آیات میں اشارہ پایا جاتا ہے اور جب تک وہ قصے معلوم نہ ہوں، آیات کے اشاروں کو سمجھنا آسان نہیں، دوسرے کسی قصہ وغیرہ میں بعض اوقات الفاظ عام ہوتے ہیں، لیکن شانِ نزول سے اس میں تخصیص پیدا ہوتی ہے، یا کلام کا ظاہری مفہوم کچھ ہوتا ہے اور سببِ نزول کوئی دوسرا مفہوم متعین کرتا ہے، اس جیسی روایات کا علم حاصل کیے بغیر قرآنی آیات کو سمجھنا مشکل ہے۔(۶۱)

امام شاہ ولی اللہؒ کی مذکورہ بالا بیان کردہ صورتیں بڑی جامع ہیں اور ان میں اسبابِ نزول کی روایات کی جملہ انواع کا احاطہ ہو جاتا ہے۔ شیخ سعید حویؒ کے طرزِ تفسیر کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے یہ باوجود قرآنی سورتوں میں موضوعی وحدت کے بیان کے اہتمام کے وہ اپنی تفسیر میں ان روایاتِ اسبابِ نزول کو برابر اہمیت دیتے ہیں، چناں چہ آیات کے جس مجموعے کی وہ تفسیر کرتے ہیں، اس کے ذیل میں أسباب النزول کا عنوان باندھنے کا التزام کرتے ہیں اور اس طرح کی ماثور روایات کو نقل کرتے چلے جاتے ہیں، جب کہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ کا طریقِ کار اس معاملے میں بالکل مختلف ہے۔ اس بارے میں ان کا موقف ان کے استاد مولانا حمید الدین فراہیؒ والا ہے جو انھوں نے تفسیر **تدبرِ قرآن** کے مقدمے میں نقل کیا ہے:"۔۔۔ اگر شانِ نزول معلوم کرنی ہو تو اس کو خود سورت سے معلوم کرو۔۔۔ جس طرح ایک ماہر طبیب دوا کے نسخہ سے اس شخص کی بیماری معلوم کر سکتا ہے جس کے لیے نسخہ لکھا گیا ہے، اسی طرح ہر سورہ سے اس کی شانِ نزول معلوم کر سکتے ہو۔۔" اس کے بعد فراہیؒ نے سیوطیؒ کے حوالے سے

۶۱- محمد تقی عثمانی، **علوم القرآن** (کراچی: مکتبہ دار العلوم، ۱۴۱۵ھ)، ۸۰- ۸۲۔

زرکشیؒ کا وہ بیان نقل کیا ہے کہ صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم کی یہ عام عادت ہے کہ جب وہ کہتے ہیں کہ فلاں آیت فلاں بارے میں نازل ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہوا کرتا ہے کہ یہ آیت اس حکم پر مشتمل ہے، یہ مطلب نہیں ہوتا ہے کہ بعینہ وہ بات اس آیت کے نزول کا سبب ہے۔۔۔مولانا اصلاحیؒ اس طریق کی اتباع میں کہتے ہیں:''میں نے شانِ نزول کے معاملے میں ٹھیک اسی طریقے کی پیروی کی ہے۔ واقعات کو صرف انھی آیات کی تفسیر میں اہمیت دی ہے، جن میں کسی واقعہ کی تصریح یا تلمیح ہے اور ان کو بھی ان تمام غیر ضروری تفصیلات سے الگ کر کے لیا ہے، جن کی تائید قرآن کے الفاظ یا اشارات سے نہیں ہوتی۔''(۶۲)

مولانا اصلاحیؒ نے **مبادی تدبر قرآن** کتاب میں امام شاہ ولی اللہؒ کی مذکورہ بالا بات کو بھی اپنی بات کی تائید کے طور پر پیش کیا ہے کہ اسبابِ نزول کی روایات کا لازمی مطلب یہ نہیں ہوتا یہ انھی واقعات کے باعث وہ آیات نازل ہوئی ہوں، بلکہ یہ معنٰی ہوتا ہے کہ اس واقعے کا حکم بھی ان آیات میں موجود ہے۔ زرکشیؒ اور شاہ صاحبؒ کا موقف نقل کر کے مولانا اصلاحی لکھتے ہیں:''[ان حضرت کے موقف سے واضح ہے کہ]نزلت في كذا يافأنزل الله تعالى قوله وغیرہ اصطلاحات کا منشا وہ نہیں ہے جو لوگ سمجھتے ہیں، بلکہ یہ استنباط و استدلال کے قسم کی ایک چیز ہے، یعنی اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ اس آیت سے فلاں بات نکلتی ہے۔ اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد تمام شبہات آپ سے آپ رفع ہو جاتے ہیں۔''(۶۳) لیکن بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے شاہ صاحبؒ کی بات کو مکمل طور پر پیش نہیں کیا۔ مولانا تقی عثمانی کی بیان کردہ شاہ صاحبؒ کے موقف کی مذکورہ بالا تصریح سے واضح ہے کہ وہ اس طرح کی روایات کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں؛ پہلی قسم آٹھ صورتوں کی ہے جن کی معرفت وہ مفسر کے لیے ضروری قرار نہیں دیتے، لیکن کچھ صورتیں ایسی ہیں، جنھیں شاہ صاحبؒ بھی ناگزیر قرار دیتے ہیں۔ مولانا اصلاحیؒ نے شاہ صاحبؒ کے پہلی قسم کی روایات کے بارے میں موقف کو عمومی قرار دیا ہے، جو ان کا تسامح معلوم ہوتا ہے۔ ان نے پہلی قسم کی روایات کے بارے میں شاہ صاحبؒ کا موقف تو نقل کیا، لیکن دوسری قسم کے بارے میں ان کے موقف پر یا تو ان کی نظر نہیں گئی، یا شانِ نزول کے بارے میں مولانا فراہیؒ کے پیش کردہ نقطۂ نظر سے اسے موافق نہ پا کر نظر انداز کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ محض تطبیق و استدلال ہی کی روایات کو وہ اپنی تفسیر میں ذکر نہیں کرتے، بلکہ ان روایات کو بھی چھوڑ دیتے ہیں جن سے آیات کا خارجی پس منظر اور سیاق واضح ہوتا ہے اور اس

۶۲- اصلاحی، مصدرِ سابق، ۱: ۳۱ – ۳۲۔

۶۳- دیکھیے: امین احسن اصلاحی، **مبادی تدبر قرآن** (لاہور: فاران فاؤنڈیشن، ۲۰۰۴ء)، ۱۷۱- ۱۷۴۔

پر اسی پس منظر کو ترجیح دیتے ہیں جو نفسِ آیات کے داخلی قرائن (نظم اور خطاب وغیرہ) سے سامنے آتا ہے، جب کہ شیخ سعید حویؒ کے ہاں یہ مسئلہ نہیں ہے۔ اس بات کی وضاحت مندرجہ ذیل مثال سے ہو سکے گی۔

سورۂ انفال میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖۗ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖؗ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (پیغمبر کو شایان نہیں کہ اس کے قبضے میں قیدی رہیں جب تک (کافروں کو قتل کر کے) زمین میں کثرت سے خون (نہ) بہادے۔ تم لوگ دنیا کے مال کے طالب ہو۔ اور خدا آخرت (کی بھلائی) چاہتا ہے۔ اور خدا غالب حکمت والا ہے۔ اگر خدا کا حکم پہلے نہ ہو چکا ہوتا تو جو (فدیہ) تم نے لیا ہے اس کے بدلے تم پر بڑا عذاب نازل ہوتا۔ تو جو مال غنیمت تم کو ملا ہے سے کھاؤ (کہ وہ تمہارے لیے) حلال (طیب) ہے اور خدا سے ڈرتے رہو بیشک خدا بخشنے والا مہربان ہے۔)[۶۴] شیخ سعید حوی نے ان آیات کو جمہور علما کی تفسیر کی روشنی میں واضح کیا ہے اور شانِ نزول کی انھی روایات کو پیشِ نظر رکھا ہے جو علما نے پیش کی ہیں۔ ان آیات کا سببِ نزول، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے جسے مسند احمد وغیرہ میں نقل کیا گیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یومِ بدر کے قیدیوں کے بارے میں مشورہ طلب کیا اور فرمایا کہ اللہ نے تمھیں ان پر اختیار دیا ہے تو کیا کرنا چاہیے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان کی گردنیں اڑا دیجیے، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو نظر انداز کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمارے خیال میں ان کو معاف کر دیجیے اور ان سے فدیہ لے لیجیے۔ آپ علیہ السلام نے انھیں معاف کر دیا اور ان سے فدیہ لیا۔ اس پر اللہ نے یہ آیات اتاریں: ﴿لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾[۶۵]

ان آیات کی تفسیر میں یہ حدیث تمام مفسرین ذکر کرتے ہیں اور شیخ سعید حویؒ نے اس مقام پر 'فوائد' کے ضمن میں دوسرے فائدے کے تحت آیات کے شانِ نزول کے طور پر مذکورہ بالا روایت دو طر ُ ُق سے نقل

۶۴- القرآن ۹: ۶۷ – ۶۹۔

۶۵- ابو عیسی محمد بن عیسی بن سَورۃ بن موسی بن الضحاک، الترمذی، سنن الترمذي، ت: بشار عواد معروف، أبواب تفسير القرآن عن رسول الله ﷺ، باب: ومن سورة الأنفال (بيروت: دار الغرب الإسلامي، ۱۹۹۸ء) رقم: ۳۰۸۵۔

کی ہے،[٦٦] لیکن مولانا اصلاحی نے اس ان آیات کو ایک بالکل دوسرے سیاق میں ذکر کیا ہے جو دیگر تمام مفسرین سے مختلف ہے۔ ان کے نزدیک یہ خطاب نبی پاک ﷺ اور جماعتِ صحابہ سے نہیں، بلکہ قریش سے ہے اور ان سے کہا گیا ہے کہ تم نبی پر جو الزام لگاتے ہو کہ یہ ہوسِ اقتدار میں مبتلا ہیں، اپنی قوم میں انھوں نے خون ریزی کرائی، اپنے بھائیوں کو قید کیا، ان کا مال لوٹا، ان سے فدیہ وصول کیا، یہ ساری باتیں تمھاری اپنی کھسیاہٹ مٹانے کے لیے ہیں۔ کوئی نبی اس بات کا روادار نہیں ہوتا کہ وہ قیدی پکڑنے، فدیہ وصول کرنے اور مالِ غنیمت لوٹنے کے شوق میں ملک میں خون ریزی برپا کردے۔ یہ باتیں تم اس لیے کہتے ہو کہ تم نبی کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہو۔ مولانا اصلاحی مزید کہتے ہیں "ہمارے مفسرین کو ان آیات کی تاویل میں بڑی الجھن پیش آئی ہے۔ ان کے نزدیک یہ نبی ﷺ ، حضرت ابوبکر صدیق اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم پر عتاب ہے کہ وہ زمین میں خون ریزی کیے بغیر بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے پر کیوں راضی ہوگئے۔ صحیح تاویل واضح ہونے کے بعد اب اس بات کی تردید کی ضرورت نہیں رہتی۔"[٦٧]

مذکورہ بالا آیات کے تحت سببِ نزول کی اس روایت کو ذکر کرنے کے ساتھ محض اس آیت ہی تفہیم وابستہ نہیں، بلکہ ایک اصولی مسئلہ بھی وابستہ ہے جو اصولِ فقہ کی کتابوں میں اس عنوان کے تحت ملتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں اجتہاد فرمایا ہے یا نہیں؟ نیز آپ کے اجتہاد کی قانونی اور شرعی حیثیت کیا ہے؟ علما کی ایک جماعت کا موقف یہ ہے کہ آپ نے کبھی اجتہاد نہیں فرمایا، کیوں کہ وحی آپ کی مسلسل رہ نمائی کرتی تھی، جب کہ دوسرا اور جمہور علما کا موقف یہ ہے یہ آپ اجتہاد فرماتے تھے جس میں اصابت وخطا دونوں کا امکان رہتا تھا، تاہم جہاں دوسری صورت ہوتی تو وحی رہ نمائی کرلیتی تھی۔ اس کی مثال کے طور پر علمانے مذکورہ بالا واقعہ مذکورہ آیات کے شانِ نزول کے تناظر میں پیش کیا ہے۔[٦٨] یہاں چوں کہ اس واقعے کی تفہیم کے ساتھ ایک اصولی مسئلہ بھی وابستہ ہے اور اس روایت کو بالاتفاق تمام مفسرین نے نقل کیا ہے، اس لیے مولانا اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ کی بات مرجوح معلوم ہوتی ہے۔

٦٦- سعید حوی، **الأساس في التفسير**، ۴: ۱۹۹۔

٦٧- اصلاحی، **تدبر قرآن**، ۳: ۵۱۱- ۵۱۲۔

٦٨- دیکھیے: مناع بن خلیل القطان، **تاریخ التشریع الإسلامي** (قاہرہ: مکتبة وهبة، ۲۰۰۱ء)، ۱۱۲۔

نتائج بحث

مذکورہ بالا گفت گو سے جو نتائج سامنے آتے ہیں، انھیں مندرجہ ذیل نکات کی صورت میں بیان کیا جاسکتا ہے:

۱- مولانا اصلاحی اور شیخ سعید حوی دونوں قرآنِ کریم میں موضوعی وحدت کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک ہر قرآنی سورت کا ایک خاص محور ہوتا ہے اور سورت کے دیگر موضوعات اس محور کے گرد گھومتے ہیں۔

۲- دونوں شخصیات نے قرآنی نظم یا موضوعی وحدت کو سورتوں کے علاوہ سورتوں کے مجموعوں کی سطح پر بھی بیان کیا ہے۔

۲- مولانا اصلاحی کے بتائے گئے سورتوں محاور کو دیکھا جائے تو ان میں دقت اور شمولیت کا عنصر نسبتاً زیادہ گہرا ہے جب کہ سعید حویٰ کے ہاں ایسا نہیں۔ البتہ سعید حویٰ قرآن میں موضوعی وحدت کے مسئلے کو اسبابِ نزول کی روایات کے ساتھ ساتھ لے کر چلتے ہیں، جب کہ مولانا اصلاحی اس معاملے میں نظم کو ترجیح دیتے ہیں، بہ شرطے کہ روایت اور نظم میں کوئی تطبیق ممکن نہ ہو۔

۳- اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآنی سورتوں کا نظم دریافت کرنا مفسر کے ذاتی تدبر اور غور وفکر کا مرہونِ منت ہے اور اپنے زاویۂ نظر کے مطابق ضروری نہیں کہ ہر مفسر کا دریافت کردہ نظم دوسرے کے دریافت کردہ نظم کے مطابق ہی ہو۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جمہور مفسرین نظمِ قرآن کو جو اجتہادی اور ذوقی نوعیت کی چیز کہتے ہیں، ان کا موقف قرینِ صواب ہے، جب کہ اس کو فہمِ قرآن کا بنیادی پتھر قرار دینا، جیسا کہ مکتبِ فراہی میں ہے، شاید درست نہیں ہے۔ واللہ اعلم!

❁❁❁❁❁❁